

امیر المؤمنین

صحیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نیا می صحیفہ جسے رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا تھا



ترجمہ
محمد سرور گوہر

نظر ثانی
حافظ حامد محمود الخضری

تقریظ
شیخ الحدیث عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ



انصار السنہ
پبلیکیشنز لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين،
أما بعد!

دین اسلام، عالمگیر مذہب ہے، اس کی دعوت، تبلیغ اور نشر و اشاعت کی خاطر اللہ تعالیٰ نے پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ﴾ (النحل: 44)

''اور ہم نے آپ کی طرف ذکر کو نازل کیا ہے تاکہ آپ ان کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔''

شریعت اسلامیہ، کتاب و سنت کا نام ہے۔

قرآن مجید کی طرح سنت رسول بھی وحی الٰہی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں، وہ صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہی پیغام ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے شریعت میں کچھ نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۙ ﴾ (النجم: 3، 4)

''اور نہ ہی وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اُتاری جاتی ہے۔''

حدیث و سنت پر عمل پیرا ہونے والا کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا، جبکہ اس کے علاوہ گمراہی ہی گمراہی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا، كِتَابُ اللّٰهِ، وَسُنَّةُ رَسُوْلِهِ.)) [1]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ دو چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے تقاضا ہے کہ وہ پوری زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، مسجد کے اندر ہو یا باہر، بیوی بچوں کے ساتھ ہو یا دوست احباب کے ساتھ، گویا ہر جگہ، ہر لحہ اور ہر موڑ پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدنظر رکھیں۔

[1] مؤطا مالك، كتاب القدر، باب النهى عن القول بالقدر، رقم: 3، مستدرك حاكم: 93/1، رقم: 324۔ حاکم نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اور اُس پر عمل پیرا ہوکر اپنی زندگی گزاریں، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کے اہل بیت قرآن وسنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے تھے اور وہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہمارے دل میں حدیث وسنت کی محبت اور اس کی قطعیت پر یقین ہوگا۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اور کئی اداروں میں حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے اور وہ بڑی عرق ریزی اور جانکاہی سے اس عمل بد اور فعل شر پر مصروف کار ہیں۔ کمال حیرت کا موجب یہ امر ہے کہ طبقۂ علماء میں سے بھی بعض حضرات منہج صحیح سے انحراف کر گئے ہیں اور وہ حدیث نبوی کی حجیت و اہمیت کے بارے غلط نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ یہ طرز بڑا ہی خطرناک اور افسوس ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

ان احوال وظروف میں حدیث رسول ﷺ سے محبت کا ثبوت اسی انداز میں دیا جاسکتا تھا کہ تراجم و شروحات کے ساتھ ذخیرہ حدیث عوام الناس تک پہنچایا جائے، تاکہ ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی سانسیں مبارک، آپ کے اقوال وافعال اور تقریرات گھر کر جائیں، اور انہیں حدیث وسنت کی اہمیت کا پتا چلے اور اس پر عمل کر کے اپنی زندگیاں سنوار لیں۔ عظیم محدث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے:

”اَوَّلُ الْعِلْمِ اَلنِّيَّةُ ثُمَّ السِّمَاعُ ثُمَّ الْفَهْمُ ثُمَّ الْحِفْظُ ثُمَّ الْعَمَلُ ثُمَّ النَّشْرُ . “

”پہلا علم نیت، پھر سماع، پھر فہم، پھر حفظ، پھر عمل اور پھر اس کی نشر واشاعت ہے۔“

اس سلسلہ کی کڑی ”صحیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ“ ہے۔ یہ صحیفہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، جسے رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا تھا۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ: ”میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے پاس کوئی علیحدہ کتاب ہے؟ (جو اور مسلمانوں کے پاس نہ ہو) فرمایا: نہیں، مگر اللہ کی کتاب یا وہ سمجھ (کتاب وسنت کی فہم و فراست) جو ہر مسلمان کو دی گئی ہے، یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کے آزاد کرنے کے احکام اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔“ [1]

اس صحیفہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مشہور محقق ڈاکٹر رفعت فوزی نے تحقیق و دراسہ کے ساتھ عربی دان طبقہ کے لیے پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب محمد سرور گوہر حفظہ اللہ کو جنھوں نے اس عظیم کتاب کے ترجمہ کا کام کیا۔ ایسا علمی کام بزبان اردو پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ بعد ازاں نظر ثانی اور اضافہ جات کا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابة العلم، رقم: 111، سنن ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء لایقتل مسلم بکافر، رقم: 1412.

کام جناب حافظ حامد محمود الخضری حفظہ اللہ نے بڑے احسن طریقے سے سرانجام دیا کہ یہ عظیم الشان صحیفہ طباعت کے قابل ہوا۔ والحمد لله على ذلك .

فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ بھی شکریہ کے حقدار ہیں، جنہوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود ادارہ ہذا کی سرپرستی قبول کر رکھی ہے اور ادارہ کی مطبوعات کو پڑھ دیکھ کر ہماری رہنمائی بھی کرتے رہتے ہیں اور ہماری لغزش کی کوتاہی سے صرف نظر بھی۔ جزاهم الله خيرا في الدنيا والآخرة .

ممبران ادارہ جناب ابو یحییٰ محمد طارق جاوید، منصور سلیم، میاں سجاد، محمد ناظر سدھو، ظفر اقبال، محمد نادر، فیصل جاوید، فیصل خان، اسجد محمود منج، محمد عرفان، اختر علی، شوکت حیات، انتصار، عبدالوحید، زاہد حسین، محمد مشتاق، ماسٹر الطاف، عندلیب اور ادارہ کی مجلس شوریٰ جناب محمد شاہد انصاری، حاجی نوید آصف، شمشیر اشرف، محمد اکرم سلفی، مرزا ذاکر احمد اور ابوطلحہ صدیقی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جن کے تعاون سے کتب حدیث کا کام جاری وساری ہے۔

جناب انکل ابو مؤمن منصور احمد حفظہ اللہ اور اُن کے بیٹے مؤمن منصور حفظہ اللہ کی تمام کوششیں اللہ عزوجل اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، کیونکہ ان کے تعاون سے ان کتابوں کی اشاعت ہو رہی ہے۔

جناب ابوحفص محمد حسن خان صاحب نے دیدہ زیب و جاذب نظر کمپیوٹر ڈیزائننگ بطریق احسن سرانجام دی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور اس کام کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دین اسلام کا سچا خادم اور خیر خواہ بنائے اور اسلام کی مخالف قوتوں کے خلاف علمی جہاد کرنے کی توفیق بخشے اور ہمارے اس متواضع عمل کو شرف قبولیت بخشے۔

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و آله و صحبه أجمعين

وکتبہ

ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی

رئیس: انصار السنۃ پبلی کیشنز، لاہور



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ ، وَنَسْتَعِينُهٗ ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا ، وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ .

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران: 102)

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾

(النساء : 1)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب: 70، 71)

اَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ اَحْسَنَ الْكِتَابِ كِتَابُ اللّٰهِ ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ . اَمَّا بَعْدُ!

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور داماد ہیں۔ آپ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے وافر حصہ پایا۔ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریق جداگانہ تھا۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی آپ کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بات کرتا تو اس سے قسم لیتے تھے۔[1] شاید اس کی وجہ عہد عثمان میں برپا ہونے والے فتنے اور فساد بھی ہوں۔ یوں بھی اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا مختلف اقوام و طبقات کے لوگ مسلمان ہو ہو کر اسلامی جماعت میں جوق در جوق شریک ہو رہے تھے اور ان سب کے ایمان و اسلام کی حالت وہ نہ تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی۔ غالباً یہی

[1] سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج : 126/5 .

وجوہات تھیں جن کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کا اعلان عموماً منبر سے فرماتے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ .)) [1]

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری طرف جھوٹ بات منسوب نہ کیا کرو جو میری طرف جھوٹ منسوب کرے گا آگ میں جھونکا جائے گا۔"

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے سے لوگوں ہی کو نہیں ڈراتے تھے اس سے خود بھی ڈرتے تھے۔ انہوں نے ان کلمات کو مختلف مواقع پر دہرایا ہے:

((لِأَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْذِبَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ .)) [2]

"آسمان سے گرنا مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کروں۔"

جس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے والے سے قسم لیتے تھے اسی طرح جب کوئی پوچھنے والا آپ سے کسی حدیث سے متعلق پوچھتا کہ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے تو جواب میں خود بھی قسم کھاتے اور فرماتے:

((أَيْ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ .)) [3]

"ہاں رب کعبہ کی قسم! (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زمانہ نبوت کافی دور ہو چکا تھا، تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں احاد کی شکل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تھیں وہ آپ کے پاس محفوظ تھیں اس کے علاوہ ایک نوشتہ بھی آپ کے پاس موجود تھا جو آپ نے اپنی تلوار کی نیام میں رکھا ہوا تھا لیکن اس کی اشاعت عہد صدیقی، عہد فاروقی اور عہد عثانی میں نہیں ہوئی تھی۔ ان کے اپنے عہد خلافت میں بھی جب لوگوں نے آپ سے بہت اصرار کیا تو بھی آپ انکار ہی کرتے رہے جس سے بعض لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعض باتوں کی وصیت کی ہو ایسے لوگوں کو جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتنہ بپا کر رکھا تھا اس قسم کے گمان ہتھیار کا کام دیتے، اس لیے آپ نے اس شبہ کا ازالہ کر دیا، فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب...... ، 30/1، سنن ترمذی، کتاب العلم، باب فی تعظیم الکذب علی رسول اللّٰہ : 35/5 .

[2] سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج : 124/5 .

[3] سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج : 121/5 .

((مَا عَهِدَ إِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ شَيْئًا خَاصَّةً دُوْنَ النَّاسِ إِلَّا شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْهُ فَهُوَ فِيْ صَحِيْفَةٍ فِيْ قِرَابِ سَيْفِيْ .))❶

''حضور ﷺ نے عام لوگوں سے الگ مجھ سے کوئی بات بطور عہد نہیں کی بجز اس کے کہ میں نے آپ ﷺ سے چند باتیں سنیں، وہ اس صحیفہ میں لکھی ہوئی ہیں جو میری تلوار کے نیام میں رکھا ہے۔''

راوی کہتا ہے:

((فَلَمْ يَزَالُوْا بِهِ حَتّٰى أَخْرَجَ الصَّحِيْفَةَ .))❷

''لوگ (اس صحیفہ کو دیکھنے پر) مصر رہے حتیٰ کہ آپ نے اسے نکالا۔''

آپ کا خیال تھا کہ عمومیت کا رنگ پیدا نہ ہو اور جب یہ خدشہ ہوا کہ نہ جانے لوگ کیا سمجھیں گے؟ تو لوگوں کو بتادیا کہ اس میں معمولی دینی مسائل ہیں۔ اس صحیفے کے عام نہ ہونے کی وجہ اس سے کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ جس طرح آپ رضی اللہ عنہ کے پیش رو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا یہ خیال تھا کہ ان کے زمانے میں عمومیت کا رنگ اختیار کرکے یہ چیزیں جب آئندہ نسلوں تک پہنچیں گی تو ان میں شریعت کے ان عناصر اور اجزاء کی وہی کیفیت پیدا ہوجائے گی جیسی کہ شارع علیہ السلام نے صرف البینات کی حد تک محدود رکھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی اپنے عہد خلافت تک یہی خیال رہا تھا جہاں تک اس کی حفاظت ونگرانی کا تعلق ہے اس میں بھی آپ نے کوئی کمی نہیں فرمائی۔

اتنی بات تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ چونکہ عہد نبوی کے قریب تھا، اس لیے اس زمانے کے امور کے متعلق عہد نبوی کے قریب تھا، اس لیے اس زمانے کے امور کے متعلق مسلمانوں کے قلوب میں تقدس و احترام کے جذبات زیادہ تھے، مگر جوں جوں دن گزرتے گئے احترام وتقدس کی کیفیت میں اضمحلال پیدا ہونا ایک قدرتی بات تھی ہوسکتا ہے کہ اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی بجائے کوفہ کو اپنا مرکز خلافت بنالیا تھا جو ایک چھاؤنی تھی، جہاں اس دینی معیار کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو مدینۃ الرسول میں پائی جاتی تھی، اگرچہ کوفہ میں بھی جلیل القدر لوگ آگئے تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں:

((هَبَطَ الْكُوْفَةَ ثَلَاثُمِائَةٍ اَصْحَابُ الشَّجَرَةِ وَسَبْعُوْنَ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ .))❸

❶ سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج : 119/5 .

❷ سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی قتال الخوارج : 119/5 .

❸ طبقات ابن سعد : 9/6 .

”کوفہ کو وطن بنا کر آنے والوں میں تین سو اصحاب ایسے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اور ستر اصحاب بدر شامل تھے۔“

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حسن سے کوفہ اور بصرہ کی حیثیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کوفہ کو بصرہ پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے:

((بِهَا بُيُوْتَاتُ الْعَرَبِ .))❶

”وہاں عربوں کے مسکن ہیں۔“

اس کے باوجود کوفہ کو وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا تھا جو مدینہ اور حوالی مدینہ کو نصیب ہے۔

"سائر العرب من بنی بکر بن وائل وعبد القیس وسائر ربیعة وغیرهم فلم یکونوا من تلك الصحبة بمکاف إلا قلیلا منهم ."❷

”تمام عرب قبائل کے لوگ آ کر آباد ہوگئے تھے بنوبکر بن وائل عبد القیس اور قبیلہ ربیعہ کی تمام شاخوں کے لوگوں میں آپ سے استفادہ کرنے والے بہت کم تھے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کثیر تعداد ان لوگوں کی تھی جنھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دولت تو نصیب ہوگئی تھی لیکن جمال جہاں آرائے محمدی سے اپنی مشتاق آنکھوں کو روشن کرنے کی سعادت میسر نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرظہ بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

((إِذَا رَاَوْكُمْ مُدَاوُوا إِلَيْكُمْ أَعْنَاقَهُمْ وَقَالُوْا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ .))❸

”جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو تمہاری طرف اپنی گردنیں دراز کر کے کہیں گے دیکھو یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔“

مقامات کے اس اختلاف اور لوگوں کے اس تفاوت مزاج کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خداداد بصیرت سے بھانپ لیا تھا، اس لیے آپ نے احتیاط کے رویہ کو ملحوظ خاطر رکھا، آپ کا خیال تھا کہ صحبت نبوت سے محروم رہ جانے والے مسلمانوں کے قلوب میں حضور کی باتوں کے جاننے کا جو ولولہ اور شوق بھڑک رہا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو دیکھیں گے تو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات جاننے کے لیے وہ کس طرح بیتابانہ دوڑ پڑیں گے۔

❶ طبقات ابن سعد : 11/6 . ❷ طبقات ابن سعد : 128/2 .
❸ مجمع الزوائد : 25/1 .

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ پیش گوئی کتنی سچی نکلی؟ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لکھنے والوں کے ساتھ انہی چھاؤنیوں میں رہنے والے مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت یہ ہوگئی تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ثابت البنانی ان لوگوں سے جو ان سے حدیث سننے کے لیے آیا کرتے کہنے لگے:

"لَوْلَا تَصْنَعُوْا إِنِّی مَا صَنَعْتُمْ بِالْحَسَنِ لَحَدَّثْتُكُمْ أَحَادِيْثَ مُوَثَّقَةً." ❶

''اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم میرے ساتھ بھی حسن بصری والا سلوک کرو گے تو میں تمہیں بہت اچھی اچھی حدیثیں سناتا۔''

پھر حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق اپنی چشم دید شہادت بیان کرتے ہیں کہ:

"مَنَعُوْهُ الْقَائِلَةَ وَمَنَعُوْهُ النَّوْمَ." ❷

''وہ انہیں نہ دن کو لیٹنے کا موقع دیتے اور نہ رات کو سونے کا۔''

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرنے والوں نے تابعین کا یہ حال کر دیا تھا کہ ان کا رستے میں چلنا دشوار ہو گیا تھا اور انہوں نے پوچھنے والوں کے ڈر سے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ ❸

ذرا غور فرمائیں کہ جب حسن بصری رحمہ اللہ جو تابعی تھے اور تبع تابعین کی یہ حالت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کے شوق میں مسلمانوں کا ان کے پاس اس قدر اژدہام رہتا تھا کہ وہ نہ راہ چل سکتے نہ قیلولہ کر سکتے اور نہ سو ہی سکتے تھے تو جن خوش نصیبوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی آنکھوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا اور ان کو آپ کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف بھی ملا ہو، ان کو دیکھ کر مسلمانوں کا کیا حال ہوگا؟ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فقط باتیں ہی سنیں اور انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا شرف نصیب نہ ہوا ہوگا ان کی بے تابیاں شدید ترین ہوں گی۔ ممکن ہے کوفہ تشریف آوری کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے حالات سے سابقہ پڑا ہو کیونکہ مدینہ منورہ میں ایسی صورت کے پیش آنے کے امکانات کم تھے۔ ایک تو یہ کہ وہاں پوچھنے والوں کی بھی اتنی کثرت نہ تھی اور بتانے والوں کی بھی کمی نہ تھی جو دوسرے مقامات کے لوگوں کو درپیش تھی۔ دوسرا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب کی سعادت کچھ اور لوگوں کو بھی حاصل تھی، مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ

❶ طبقات ابن سعد : 233/7.
❷ طبقات ابن سعد : 233/7.
❸ طبقات ابن سعد : 25/7.

بارگاہ نبوت میں جو قرب آپ کو حاصل تھا وہ آپ ہی کی خصوصیت تھی اس لیے لوگوں کے اصرار کا سبب کچھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آغاز کار میں تقلیل روایت کی پابندی کی مگر یہ پابندی زیادہ دیر چل نہ سکی۔ ایک طرف تو آپ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نیامی صحیفے کی احادیث دکھانے پر آپ آمادہ نہ تھے لیکن غلط فہمیوں کے پھیلنے کے اندیشے سے آپ نے وہ حدیثیں لوگوں کو دکھادیں۔ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل ہے جس کی طرف طبقات ابن سعد کی یہ روایت اشارہ کرتی ہے کہ:

”اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرَى الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ صَحِيْفًا بِدِرْهَمٍ ثُمَّ جَاءَ بِهَا عَلِيًا فَكَتَبَ لَهُ عِلْمًا كَثِيْرًا . “[1]

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (کوفہ میں) لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: تم میں کون ایک درہم کے بدلے علم خریدنا چاہتا ہے حارث اعور ایک درہم کے کچھ کاغذ خرید کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر بہت سا علم لکھا۔“

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں صراحتاً موجود نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حارث کو حدیث لکھ کر دی تھی لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس زمانے کی اصطلاح میں علم کے لفظ کا اطلاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہی پر ہوتا تھا۔ اگر کل نہیں تو اصطلاح کی بنیاد پر اتنا تو تسلیم کرنے سے گریز نہیں کیا جاسکتا کہ اس میں بعض حصہ حدیثوں کا ضرور ہونا چاہیے۔ حضرت حجر بن عدی اسلام کی ابتدائی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتے تھے۔ ابن سعد کے بقول:

”كان ثقة معروفا لم يرو غير على شيئاً . “[2]

”وہ بڑے معتبر اور مشہور تھے: انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے کوئی روایت نہیں کی۔“

اس قسم کی متعدد روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی احادیث کا ایک مجموعہ حجر بن عدی کے پاس بھی موجود تھا۔ رجال کی کتابوں میں امام جعفر صادق کے حالات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس بھی حدیثوں کا ایک لکھا ہوا مجموعہ موجود تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگوں سے جو حدیثیں بیان کرتا ہوں۔

---

[1] طبقات ابن سعد: 169/6، تقييد العلم: 90.

[2] طبقات ابن سعد: 220/6.

”رِوَايَةٌ رَوَيْنَا عَنْ آبَاءِ نَا .“[1]

”وہ روایت ہے جسے ہم نے اپنے آباء سے بیان کیا ہے۔“

اگر ان مذکورہ بالا روایات پر اعتماد کیا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی احادیث کے تین چار مجموعے لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے جن میں حارث بن اعور والا نسخہ تو براہ راست حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک ہی کا لکھا ہوا تھا۔ اس سے انکار نہیں کہ آپ کوفہ پہنچنے کے بعد تقلیل فی الروایات کے اصول پر زیادہ دیر کار بند نہ رہ سکے تھے اور روایت کی عمومیت کے جس دروازے کو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدت کے ساتھ بند رکھنے کی کوشش کی تھی، وہ دروازہ کھل گیا اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ آپ نے کس طرح خود کاغذ منگوا کر احادیث لکھیں۔ ان دو صحابیوں یعنی عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سوا حضرات صحابہ میں سے جن جن شخصیات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف احادیث منسوب کی تھیں، یہ سارے قصے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی تبدیلی کے بعد کے ہیں اور یہ تغیر جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کوفہ تشریف لے جانے کے بعد ہوا اور یہ وہی زمانہ ہے جس سے کچھ دن پیشتر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری چند سالوں میں ایک عجیب وغریب اندرونی تحریک کے پھیلانے کی کوشش عام مسلمانوں میں جاری ہو چکی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے اس اختلاف کی بڑی وجہ حالات کا بدل جانا تھا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں علماء کی کثرت تھی جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اتنے لوگ نہ تھے اگر وہی سختی روا رکھی جاتی تو علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا درست کیا اور ایسا کرنا حالات ومصلحت کا تقاضا تھا۔ اسی طرح شیخین رضی اللہ عنہما نے جو کچھ کیا وہ بھی اس وقت کے حالات کے عین مطابق تھا۔ یہ دونوں طرز ہائے عمل اپنے محل وموقع پر مناسب اور نہایت درست تھے۔

حفاظت حدیث کے سلسلے میں خلفاء اربعہ کے رویہ کی ایک ہلکی سی جھلک آپ نے دیکھ لی۔ یہ تمام حضرات احادیث سے استشہاد کرتے اور خود روایت کرتے تھے البتہ احتیاط کا اہتمام کرتے تھے۔ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور کسی صحابی نے احادیث کو مکتوب کی شکل میں محفوظ نہیں کیا البتہ اپنے حافظے کے ذریعے محفوظ کیا اور آگے پہنچایا۔ اس کی ایک وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ان بزرگوں کو انتظامی مصروفیات کی اتنی کثرت تھی کہ وہ اس کے لیے وقت نہیں نکال سکتے تھے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ ان کے عہد میں دیگر حصرات نے حفاظت واشاعت

[1] تهذيب التهذيب : 301/2.

حدیث کے لیے بڑا کام کیا اور یہ صحابہ معاشرتی روایت قائم کرنے اور حدیث کے علم کو مستحکم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔ ہم نے ان حضرات کا ذکر پہلے صرف اس لیے کیا ہے کہ یہ صحابہ انتظامی اعتبار سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے اور مسلم معاشرے کی ہیئت اجتماعی کے محافظ تھے ورنہ یہ بات واضح ہے کہ مکثرین صحابہ رضی اللہ عنہم دوسرے ہیں۔ صرف حافظے کی بات اس لیے بھی بڑی اہم ہے کہ ان صحابہ کے سامنے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا نقشہ تھا اور وہ اسے اسی طرح بیان کرتے تھے۔ آپ صحیح بخاری میں وارد اس واقعہ سے اندازہ لگایے کہ عمرو بن سعید نے جب مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی تیاری کی تو حضرت ابوشریح صحابی نے اسے اس کام سے روکنے کے لیے ان الفاظ سے خطاب کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی:

((إِئْذَنْ لِى أَيُّهَا الْأَمِيرُ! أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ ﷺ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَاىَ وَوَعَاهُ قَلْبِى وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَاىَ حِينَ تَكَلَّمَ .)) [1]

"یعنی امیر صاحب! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کو وہ حدیث سناؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی۔ جسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اسے پوری طرح یاد کرلیا اور جب آپ (بیان) فرما رہے تھے تو میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی ہیں۔"

اس انداز بیان سے اس کیفیت کا تصور کیا جاسکتا ہے، جسے یہ صحابہ بیان کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے مکتوب ذخیرے سے متعلق اشارے ذکر کیے جاچکے ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ان حضرات نے لکھ کر بھیجے تھے جو محفوظ ہیں۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا۔

((عَنْ أَبِى جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِى طَالِبٍ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِى هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ قُلْتُ فَمَا فِى هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ .)) [2]

"ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے فرمایا نہیں مگر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب لیبلغ الشاهد الغائب : 34/1.

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابة العلم : 36/1، سنن ترمذی، کتاب الدیات، باب ما جاء لا یقتل مسلم بکافر : 4/24- 25.

اللہ کی کتاب یا وہ سمجھ جو ہر مسلمان کو دی گئی ہے یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے میں نے کہا اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا حریت اور قیدیوں کے آزاد کرنے کے احکام اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔''

ابراہیم تیمی نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا:

((مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالَى وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، فَقَالَ: فِيهَا الْجِرَاحَاتُ، وَأَسْنَانُ الْإِبِلِ، وَالْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى كَذَا، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى فِيهَا مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ، وَمَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذَلِكَ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذَلِكَ.)) [1]

''ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں مگر اللہ کی کتاب اور جو اس صحیفے میں ہے فرمایا، اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا اس صحیفے میں جراحات اور دیت کے احکام اور اونٹوں کی زکاۃ کا بیان ہے اور یہ کہ مدینہ عائر سے ثور تک حرم ہے جس نے اس میں کوئی بدعت پیدا کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور ایسے شخص سے فرائض ونوافل قبول نہیں کیے جائیں گے اور اس صحیفہ میں یہ بھی تھا کہ جو شخص اپنے موالی کے سوا اپنے آپ کو کسی اور کی طرف منسوب کرے گا تو اس پر بھی اسی طرح لعنت ہے اور یہ کہ مسلمانوں کا عہد ایک ہے اور جو کسی مسلمان کا عہد توڑے گا اس پر بھی اسی طرح لعنت ہے۔''

ابوحسان فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حکم دیتے تھے اور اس کی تعمیل کی جاتی تھی۔ آپ سے کہا جاتا کہ ہم نے ایسا کیا تو آپ فرماتے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ اشتر نے کہا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بات عام ہوگئی کہ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان ہے تو آپ ایک صحیفہ نکال کر لائے جس میں مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ یہ بات بھی تھی۔

((اِنَّ اِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ الْمَدِينَةَ حَرْمُ مَا بَيْنَ حَرَّتَيْهَا وَحِمَاهَا كُلُّهُ لَا

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الجهاد، باب ذمة المسلمين وجوارهم: 67/4، كتاب الحج، باب حرم المدينة: 221/4، صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة: 4/1، 115، تقييد العلم: 88، 89.

يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمَنْ أَشَارَ بِهَا وَلَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا أَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ وَلَا يُحْمَلُ فِيهَا السَّلَاحُ لِقِتَالٍ قَالَ: وَإِذَا فِيهَا الْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُ هُمْ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ . أَلَا لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهِ .)) ❶

''جناب ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں۔ مدینہ حرم ہے اس کا سبزہ کاٹا نہ جائے اور اس کا شکار ڈرایا نہ جائے اور اس کا لقطہ اٹھایا نہ جائے مگر جس کو اس کا اشارہ کرے اور اس سے درخت کاٹا نہ جائے اور یہ کہ ایک آدمی اپنے اونٹ کو چرائے اور اس میں قتال کے لیے ہتھیار نہ اٹھایا جائے اور یہ کہ تمام مسلمانوں کا خون ایک ہے اور اس میں غریب و امیر کا فرق نہیں اور مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے ادنیٰ مسلمان تک ہر شخص اس کو پورا کرنے کی سعی کرے اس میں شریف اور وضیع کا فرق نہیں اور مسلمان ایک ہیں ان کا مقابلہ میں جو ان کے سوا ہیں۔ یاد رکھو کہ کافر کے بدلہ میں مسلمان نہ مارا جائے گا اور جس کے عہد کیا گیا وہ تا اختتام عہد نہیں مارا جائے گا۔''

ابوطفیل کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت کیا گیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر کیا عطا کیا؟ تو آپ نے صحیفہ کا خصوصی ذکر کیا۔ پھر آپ نے وہ صحیفہ نکالا جس میں لکھا تھا:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا .)) ❷

''اللہ نے اس پر لعنت کی جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا ہے اور اللہ نے اس پر لعنت کی جس نے حد بست کو توڑا اور اس پر لعنت کی جس نے اپنے والد پر لعنت کیا ور اللہ نے اس پر بھی لعنت کی جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی۔''

یہ صحیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود عطا فرمایا تھا، چنانچہ ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے سنا تھا:

---

❶ صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب فضل المدینة : 112/4 ، 113 ، صحیح بخاری ، کتاب الحج ، باب حرم المدینة : 220/4 ، 221 ، سنن ابوداؤد ، کتاب المناسك باب فی تحریم المدینة : 530/2 ، مسند شهاب : 199/2 .

❷ صحیح مسلم ، کتاب الاضاحی ، باب تحریم الذح : 84/6 ، مسند شهاب : 197/2 .

((وَاللّٰهِ! مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ عَلَيْكُمْ إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ تَعَالٰى ، وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةُ أَعْطَانِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْهَا فَرَائِضُ الصَّدَقَةِ .)) [1]

''واللہ! ہمارے پاس پڑھنے کی کوئی کتاب نہیں ہے سوائے اللہ کی کتاب اور اس صحیفہ کے مجھے یہ صحیفہ رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا اور اس میں احکام زکاۃ ہیں۔''

عرب کے مشہور ومعروف عالم ڈاکٹر رفعت فوزی کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اس نیامی صحیفہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تحقیق و دراسہ کے ساتھ پیش کیا۔ اب ہمارے بھائی ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی حفظہ اللہ نے اسے اردوخوان طبقہ کے لیے آسانی پیدا کرتے ہوئے اردو زبان میں ترجمہ کروا کے شائع کیا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ادارہ ''انصار السنہ پبلی کیشنز'' عرصہ بیس سال سے علمی وقلمی میدان میں دین حنیف کی سربلندی کے لیے کوشاں ہے اور حدیث نبوی علی صاحبہا علی الصلوٰۃ السلام کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں بفضل اللہ تعالیٰ اس عرصے میں قریباً 25 کتب حدیث منظر عام پر لانے کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی علمی وتحقیقی، فکری واصلاحی کتب شائع کی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رحیم وکریم اپنے کمال فضل وکرم سے تمام زیر طبع، زیر تکمیل اور زیر غور کام بخیر و عافیت مکمل فرمائے۔

علاوہ ازیں احادیث مبارکہ پر ادارہ نے ایک عظیم الشان منصوبہ تشکیل دیا ہے جس کے تحت حدیث پاک کی ایک صد (100) کتب پر تحقیقی کام کر کے اُنہیں منصہ شہود پر لایا جائے گا۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ وہ اس عظیم الشان صحیفہ کو ہمارے لیے دُنیوی اور اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔ اس کتاب کے قارئین کو ہدایت نصیب ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین مقدسہ کو پڑھ کر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو عمل کی بھی ترغیب بھی دلائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین حنیف کا سچا خادم بنائے۔ آمین

کتبہ

عبداللہ ناصر رحمانی

اگست 2021ء



[1] تقييد العلم : 89، مسند شهاب : 200/2.

مقدمہ

الحمد للّٰه رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين،
أما بعد!

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰ لِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ ﴾ (الروم: 30)

''پس (اے میرے نبی!) آپ یکسو ہوکر دین اسلام پر قائم رہئے، یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے، یہی سچا اور صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔''

بخاری، مسلم اور احمد کی سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے مادہ چوپایہ ایک مکمل چوپائے کو جنتی ہے، کیا اس میں کوئی بچہ کان کٹا ہوتا ہے؟ پھر ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو:

﴿ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَـلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰ لِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ ﴾

(الروم:30)

''یہ اللہ کا وہ دین فطرت ہے جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے، یہی سچا اور سیدھا دین ہے۔'' [1]

اسلام کا مطلب ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے۔ دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھیں کہ اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کے فرامین اور پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کا:

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رقم: 1309، صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم: 22، مسند احمد: 301/2، المشکاۃ، رقم: 90.

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳﴾ (محمد:33)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔''

حدیث رسول ﷺ قرآن مجید کی تفسیر ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (النحل:44)

''اے نبی اور ہم نے یہ ذکر آپ کی طرف اس لئے نازل کیا کہ تم لوگوں کے لئے واضح کردو اس کو جو ان کی طرف اتارا گیا۔''

جیسے قرآن مجید کی آیات بینات قطعی الثبوت ہیں۔ بعینہٖ احادیث رسول کی قطعیت میں بھی شک وشبہ نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ:

﴿ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ۙ﴾ (النجم: 3 تا 4)

''اور آپ اپنی خواہش سے بات نہیں فرماتے، بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ)) [1]

''مجھے قرآن اور اس جیسی اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔''

جس محفوظ طریق پر قرآن مجید نازل ہوا، بعینہٖ اس کے اصولوں اور احکامات کی تفسیر و توضیح بھی پوری حفاظت اور ذمہ داری کے ساتھ انہیں ہاتھوں محفوظ ہوئی:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ (الحجر:9)

''بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

حدیث کی حفاظت اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس اسوۂ حسنہ کو محفوظ رکھنے کا شدید احساس تھا، اس بات کی دلیل وہ بیسیوں روایات ہیں جن میں احادیث کو لکھنے، سیکھنے سکھانے اور دوسروں تک پہنچانے کی تلقین موجود ہے:

((تَسْمَعُوْنَ مِنِّیْ، وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ، وَيُسْمَعُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْكُمْ .)) [2]

---

[1] مسند احمد: 130/4، صحیح ابن حبان، رقم: 2۔ ابن حبان اور علامہ البانی نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: 3659، سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: 1784.

’’تم لوگ مجھ سے سنتے ہو، دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے اور پھر تم سے سننے والوں سے بھی لوگ سنیں گے۔‘‘

مزید برآں آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((نَضَّرَ اللّٰه عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھا ، ثُمَّ أَدَّاھَا اِلٰی مَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا .))❶

’’اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق اور چمک عطا فرمائے جس نے میری بات سنی، اور پھر یاد رکھی، اور پھر وہ بات اس شخص تک پہنچادی، جس نے اسے سنا نہیں۔‘‘

مذکورہ بالا حدیث شریف میں ان صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا فرمائی گئی جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی حفاظت کرتے اور ضبط میں رکھتے اور پوری صحت اور اتقان کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیتے۔ حفاظ حدیث اور مبلغین حدیث کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ حفظ حدیث ، تبلیغ حدیث اور نشر حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور دلی چاہت تھی۔ پس عہد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے لے کر اب تک کوئی بھی دور ایسا نہیں گزرا کہ جس میں حدیث اور روایات لکھنے کا سلسلہ منقطع ہوا ہو۔

سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جو لفظ سنتا تھا اسے یاد کرنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا۔ پھر قریش کے لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کیا اور کہا: تم ہر بات لکھتے ہو۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگشت مبارک سے اپنے منہ اقدس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

((أُکْتُبْ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِہٖ، مَا یَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ .))❶

’’تم لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس (منہ) سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا ہے۔‘‘

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((قَیِّدُوْا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ .))❷

❶ سنن ابوداؤد، کتاب العلم، رقم: 3646، مسند أحمد: 162/1، مستدرك حاکم: 105/1، سلسلة الصحيحة، رقم: 1032 .

❷ صحیح الجامع الصغیر، رقم: 4434، سلسلة الصحيحة، رقم : 2026 .

''علم کو لکھ کر محفوظ کر لو۔''

عہد نبوی میں کتابت حدیث

عہد نبوی سے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک کے جامعین حدیث اور قلم بند کی ہوئی یاد داشتوں اور مجموعوں کا سلسلہ کچھ اس طرح ہے؟

صحیفہ علی بن ابی طالب:

یہ صحیفہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے پاس کوئی علیحدہ کتاب ہے؟ (جو اور مسلمانوں کے پاس نہ ہو) فرمایا: نہیں، مگر اللہ کی کتاب یا وہ سمجھ (کتاب وسنت کی فہم وفراست) جو ہر مسلمان کو دی گئی ہے، یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کے آزاد کرنے کے احکام اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔'' ❶

الصحیفۃ الصادقہ:

سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (م 65ھ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل ایک صحیفہ مرتب کیا جسے ''الصحیفه الصادقه'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں: ''اگر چہ یہ صحیفہ اصالتاً ہم تک نہیں پہنچا مگر یہ مسند احمد میں جوں کا توں محفوظ ہے۔'' ❷

ابن اثیر فرماتے ہیں: ''اس میں ایک ہزار احادیث تھیں۔'' ❸

سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے بذاتِ خود یہ صحیفہ رقم کیا، فرماتے ہیں:

((الصادقة صحيفة كتبتها من رسول الله وقال: هى الصادقة فيها ما سمعته من رسول الله ﷺ و ليس بيني و بينه أحد .)) ❹

---

❶ صحيح بخارى، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم: 111، سنن ترمذى، كتاب الديات، باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر، رقم: 1412.

❷ علوم الحديث و مصطلحه، ص: 27.

❸ اسد الغابة، ترجمة عبدالله بن عمرو: 233/3.

❹ تقييد العلم، ص: 82، اسد الغابة: 234/3.

’’صادقہ ایک صحیفہ ہے جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور میرے اور ان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔‘‘

عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کتاب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیّدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا تو انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں احکام اور دینی ہدایات تھیں:

”إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَتَبَ إِلٰى أَهْلِ الْيَمَنِ كِتَابًا فِيْهِ الْفَرَائِضُ، وَالسُّنَنُ، وَالدِّيَّاتُ، وَبَعَثَ عَمْرَو بْنَ حَزْمٍ فَقَرَأْتُ عَلَى أَهْلِ الْيَمَنِ.“ ❶

’’بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک نامہ تحریر فرمایا، جس میں فرائض، سنن اور دیات کے مسائل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نامہ دے کر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا، پھر اہل یمن پر یہ تحریر پڑھی گئی۔‘‘

”نُسْخَةُ كِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ تَلَقَّاهَا الْأَئِمَّةُ الْأَرْبَعَةُ بِالْقُبُوْلِ، وَهِيَ مُتَوَارِثَةٌ كَنُسْخَةِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ.“ ❷

’’صحیفہ عمرو بن حزم کو ائمہ اربعہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے نسخہ کی طرح موروثی سرمایہ ہے۔‘‘

یاد رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوانے کے بعد انہوں نے اس میں مزید اکیس فرامین نبوی شامل کر کے ایک اچھی خاصی کتاب مرتب کر لی۔ چنانچہ ”اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین لابن طولون“ میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کر دی گئی ہے۔

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کا مجموعہ:

سعید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب زیادہ اصرار سے کہتے تو وہ ہمارے لیے ایک دستاویز نکال لاتے اور کہتے: یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں اور لکھ کر دربار رسالت میں پیش کیں۔ ❸

❀ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کی خواہش پر اور کبھی از خود ان کے لئے احادیث لکھوائیں تھیں مثلاً:

---

❶ إرواء الغليل، رقم: 2238.

❷ نصب الراية للزيعى.

❸ المستدرك: 3/573ـ 574.

سادا تنا ابو ہریرۃ، عبد اللہ بن عباس، عائشۃ صدیقہ، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، ابوسعید خدری، ابو بکر، عمر بن خطاب، عثمان، اُم سلمہ، ابوموسی اشعری، ابوذر غفاری، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ❶

عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کتابتِ حدیث

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی کتابت حدیث کا کام جاری رہا۔ اس مبارک دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زیادہ تر اپنی ذاتی یادداشتوں کو قلم بند کرنے پر توجہ دی۔ اس کی مثال:

صحیفہ صحیحہ:

یہ صحیفہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ 139 احادیث پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کو لکھوائی تھیں۔

وہ تمام صحیفے جو سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے مرتب کیے تھے امتداد زمانہ کے ساتھ ناپید ہو گئے، مگر یہ صحیفہ باقی رہا، جسے صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

صحیفہ سیّدنا جابر بن عبداللہ:

سیدنا جابر بن عبداللہ (م 71ھ) نے بھی ایک صحیفہ لکھ رکھا تھا۔ ❷

امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ یہ صحیفہ مناسک حج سے متعلق تھا۔ ❸

ممکن ہے جابر رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا بھی ذکر ہو جس میں آپ نے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس احتمال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ السد وسی (م118م) اس صحیفہ کی بڑی تعریف کیا کرتے اور کہا کرتے تھے:

"لَأَنَّا لِصَحِيْفَةِ جَابِرٍ اَحْفَظُ مِنِّىْ لِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ." ❹

''یقیناً جابر کا صحیفہ تو مجھے سورۃ بقرہ سے بھی زیادہ ازبر ہے۔''

---

❶ تفصیل ملاحظہ فرمائیں: الوثائق السیاسیة از ڈاکٹر حمید اللہ، مکاتیب الرسول از شیخ علی الاحمد بحوالہ صحیح بخاری، مسلم، دارمی، تذکرۃ الحفاظ، طبقات ابن سعد، الإصابة، تقیید العلم وأسدالغابة.

❷ تذکرۃ الحفاظ: 43/1.

❸ صحیفہ ہمام بن منبہ، ص: 14.

❹ التاریخ الکبیر: 182/4، تهذیب التهذیب: 353/8، طبقات: 229/7.

صحیفہ سیّدنا سمرۃ بن جندب:

سیدنا سمرہ بن جندب بن ہلال الفزاری رضی اللہ عنہ (م 60ھ) نے بھی ایک صحیفہ میں حدیثیں جمع کی تھیں ان کے بعد یہ صحیفہ ان کے بیٹے سلیمان کو ملا اور وہ اس کی روایتیں بیان کرتے تھے۔ [1]

غالبًا یہ وہی صحیفہ ہے جو حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے بصورت مکتوب اپنے بیٹوں کو روانہ کیا' اسی کے بارے میں ابن سیرین فرماتے ہیں:

"فِيْ رِسَالَةِ سَمُرَةَ إِلَى بَنِيهِ عِلْمٌ كَثِيْرٌ." [2]

''سمرہ نے جو مکتوب اپنے بیٹوں کے نام (روانہ کیا) اس میں بہت سا علم موجود ہے۔''

❀ اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریری خطبہ فتح مکہ کے موقع پر جو ابو شاہ رضی اللہ عنہ یمنی کی درخواست پر لکھوایا گیا، روایات سیدہ عائشہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات کے مجموعے، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کتاب، صحیفہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور مکتوبات امام نافع رحمہ اللہ ہیں۔

ان کے علاوہ اس دور کے ان تابعین کو بھی نہیں بھلایا جاسکتا جن کی مساعی جمیلہ اور جہود مخلصہ کی بدولت سنت کے خزانوں سے امت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام مالا مال ہوتی رہی ہے اور تا روزِ قیامت ہوتی رہے گی۔ مثلاً سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ بن عمر اور نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر V ہیں۔

عہد تابعین میں کتابت حدیث

دوسرے دور میں تابعین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوگئی جس نے دور اوّل کے تحریری سرمایہ کو وسیع تر تالیفات میں سمیٹ لیا۔ امام ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری رحمہ اللہ (م 125ھ) کا نام اس دور کی جلیل القدر شخصیات میں شامل ہے۔ ان کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ امام زہری رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

"أَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدُالْعَزِيْزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ، فَكَتَبْنَاهَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا. فَبَعَثَ إِلَى كُلِّ أَرْضٍ لَهُ عَلَيْهَا سُلْطَانٌ دَفْتَرًا." [3]

''ہمیں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا اور ان تمام علاقوں میں جن پر ان کا

---

[1] تهذيب التهذيب: 236/4.

[2] تهذيب التهذيب: 4/236۔ 237.

[2] جامع بيان العلم: 76/1.

اقتدار تھا، یہ رسالے بھیجے۔“

ان کے علاوہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدینہ کے گورنر ابو بکر محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ کو ہدایت لکھ بھیجی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد رحمہما اللہ کے پاس جو ذخیرہ احادیث ہے اس کو ضرور قلم بند کریں:

”أَمَرَهُ اَنْ يَكْتُبَ لَهُ الْعِلْمَ مِنْ عِنْدِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمَان (98ھ) وَالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ (م 107ھ) فَكَتَبَهُ، وَفِي رِوَايَةٍ: فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَ ذِهَابَ الْعُلَمَاءِ، وَلَاتَقْبَلْ إِلَّا حَدِيْثَ النَّبِيِّ ﷺ، وَلْيَفْشُوْا الْعِلْمَ، وَلْيَجْلِسُوْا حَتّٰى يَعْلَمَ مَنْ لَّايَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَايَهْلِكُ حَتّٰى يَكُوْنَ سِرًّا.“ [1]

جن تابعین کی کتابت و تدوین حدیث کی خاطر خدمات ہیں اُن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سعید بن مسیّب، حسن بصری، ابن سیرین، علی بن حسین، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، قتادہ، علقمہ اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ۔

اس دور میں حدیث کے بہت سارے مجموعے مرتب ہوئے، جن میں امام مالک بن اَنس الاَصبحی رحمہ اللہ کی مؤطا کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس دور کی چند دوسری مصنفات کے نام درج ذیل ہیں:

1. جامع سفیان ثوری۔
2. جامع ابن المبارک۔
3. جامع امام اوزاعی۔
4. جامع ابن جریج رحمہم اللہ۔

ان کے علاوہ دیگر محدثین اور فقہائے امت جیسا کہ:

بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (م 156ھ)، ربیع بن صبیح (م 160ھ) اور حماد بن ابی مسلمہ (م 167ھ)، یمن میں معمر بن راشد (90۔163ھ)، واسط میں ہشیم بن بشیر (104۔183ھ)، رے میں جریر بن عبدالحمید (110۔۔188ھ) اور مصر میں عبداللہ بن وہب (125۔97ھ) رحمہم اللہ نے بھی مواد کو مرتب و منقح انداز میں جمع کرنے کا شرف حاصل کیا۔ [2]

اس دور میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ، فتاوی صحابہ و تابعین کو ایک ہی مجموعہ میں مرتب کر لیا جاتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی وضاحت ہو جاتی تھی کہ یہ صحابی یا تابعی کا قول ہے یا حدیث رسول ﷺ۔

---

[1] مقدمة الجرح و التعديل، ص: 21، توجيه النظر، ص: 7، فتح الباری: 195/1، 208.

[2] مقدمه فتح الباری، ص: 2، تدريب الراوی: 66/1۔ 67.

تبع تابعین اور دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث:

اس کے بعد تیسرا دور آتا ہے۔ یہ تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے چوتھی صدی ہجری کے خاتمہ تک پھیلا ہوا ہے۔اس دور میں:

1. احادیث نبویہ علی صاحبھا الصلواۃ السلام کو آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے الگ کر کے مرتب کیا گیا۔
2. قابل اعتماد روایات کے علیحدہ مجموعے تیار کئے گئے۔
3. اور علم حدیث کی حفاظت کے لئے محدثین کرام نے کئی ایک علوم کی بنیاد ڈالی۔مثلاً:

① علم اسماء الرجال۔
② علم مصطلح الحدیث۔
③ غریب الحدیث۔
④ علم تخریج الأحادیث۔
⑤ علم الناسخ والمنسوخ۔
⑥ اور فقہ الحدیث وغیرہ۔

اس دور کے ممتاز اور مشہور جامعین حدیث میں سے:

① عبدالعزیز بن جریج البصری (م 150ھ)
② امام عبدالرحمٰن بن عمرو الأوزاعی (م 157ھ)
③ مالک بن انس اصبحی (م 179ھ)
④ محمد بن اسحاق (م 151ھ)
⑤ سفیان ثوری (م 161ھ)
⑥ عبدالرزاق الصنعانی (م 211ھ)
⑦ ابوبکر بن ابی شیبہ (م 235ھ)
⑧ امام احمد بن حنبل (م 241ھ)
⑨ امام محمد بن اسماعیل البخاری (م 256ھ)
⑩ امام مسلم بن حجاج القشیری (م 261ھ)
⑪ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی (م 275ھ)

⑫ امام محمد بن عیسیٰ الترمذی (م 279ھ)

⑬ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی (م 303ھ)

⑭ امام ابوعبداللہ احمد بن یزید القزوینی (المعروف ابن ماجہ)(م 272ھ)

⑮ امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ (م 238ھ)

ان کے علاوہ اس دور میں بہت سے محدثین نے تالیفات کیں، یعنی عقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات وغیرہ تمام عنوانات پر مؤلفات حدیث موجود ہیں۔

صحیح بخاری سے قبل لکھی گئی کتب حدیث:

صحیح بخاری سے قبل لکھی گئی کتب حدیث حسب ذیل ہیں:

❶ مؤطا امام مالک:

❀ اس مؤطا کے مؤلف امام مالک بن انس الأصبحی رحمہ اللہ ہیں۔ ❶

❀ آپ امت میں امام دارالہجرہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ تبع تابعین میں سے تھے۔ امام نووی نے ''تہذیب الأسماء'' میں لکھا ہے کہ امام مالک کے شیوخ کی تعداد نوسو تھی۔ جن میں تین سوتابعین تھے) چھ سو تبع تابعین۔

❀ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کو جب حدیث کے کسی حصے (جزء) میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث رد کردیتے تھے۔ آپ کی محفل ایسی رعب دار تھی کہ ملوک وسلاطین کو تاب سخن نہ تھی، ایک خاموشی کا عالم طاری رہتا۔ ❷

❀ آپ نے اہل مدینہ کے تعامل اور احادیث رسول پر مبنی کتاب مرتب کی۔ مؤطا کی تصنیف کے وقت سے اب تک اس کی قبولیت کو دوام حاصل ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ان للمؤطا لوقعا فی النفوس و مهابة فی القلوب لایوازیها شئی ." ❸

''یقیناً مؤطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی۔''

---

❶ سیر أعلام النبلاء : 48/8، شذرات الذهب: 12/2، وفیات الأعیان: 235/4.

❷ تهذیب الأسماء واللغات: 76/2، بستان محدثین، ص: 19.

❸ مقدمه التعلیق الممجد علی مؤ طا امام محمد بحواله سیر السلام النبلاء.

❀ امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"ما أعلم فی الأرض کتابا اکثر صوابا من کتاب مالك." ❶

"میرے علم میں روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔"

❀ "آج کل جو ہمارے ہاں متداول نسخہ ہے وہی سب سے قابل اعتماد اور مستند ترین نسخہ ہے اور یہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی (م 234ھ) کا مرتب کردہ ہے۔ اس موجودہ نسخہ کے ٹائیٹل پر ہی آپ کے یہ الفاظ نظر آئیں گے "1720 احادیث کا مجموعہ" اب جو نسخے موجود ہی نہیں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ ان احادیث کی تفصیل درج ذیل ہے:

مرفوع احادیث 600، مرسل 222، موقوف (اقوال صحابہ) 603، مقطوع (اقوال تابعین 285، کل میزان 1720۔" ❷

نوٹ: ...... یادرہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب صحیح بخاری مدون نہ ہوئی تھی وگرنہ صحیح بخاری کے لکھے جانے کے بعد "اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ" صحیح بخاری ہے۔

مسند أبی داؤد الطیالسی:

❀ ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری رحمہ اللہ (م 204ھ) ایرانی النسل تھے۔ ❸

❀ تحصیل علم کے لئے مختلف علاقوں کے سفر کئے۔ ان کے اساتذہ میں اہم شعبہ، ثوری اور حماد بن سلمہ رحمہم اللہ تھے۔ ❹

❀ حافظہ بلا کا تھا، کہا جاتا ہے کہ 40 ہزار احادیث بغیر مکتوب ذخیرہ کو دیکھے روایت کر سکتے تھے۔ ❺

❀ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انہیں "ثقہ صدوق" لکھا ہے۔ ❻

❀ ان کی مسند ابتدائی مسانید میں سے ہے۔ اس میں (2890) احادیث ہیں جو تقریباً (280) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

---

❶ تدریب الراوی: 68/1، تذکرۃ الحفاظ: 208/1، سیر أعلام النبلاء: 111/8.

❷ آئینہ پرویزیت، ص: 502، 503۔

❸ طبقات ابن سعد: 298/7، التاریخ الکبیر: 100/4، میزان الاعتدال: 203/2، تاریخ بغداد: 24/9، شذرات الذهب: 12/2، سیر أعلام النبلاء: 378/9.

❹ تذکرۃ الحفاظ: 352/1، السیر: 380/9.

❺ السیر: 380/9، تذکرۃ: 352/1.

❻ السیر: 384/9، تذکرۃ: 352/1.

مسند حمیدی:

❀ ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسی الحمیدی المکی رحمہ اللہ (م 219ھ) اپنے وقت کے امام تھے۔ ❶

❀ سفیان بن عیینہ، الولید بن مسلم اور امام شافعی رحمہم اللہ ایسے علماء کی مجالس درس سے وابستہ رہے۔ ❷

❀ آپ کے شاگردوں میں امام بخاری اور ابوزرعہ الرازی وغیرہ چوٹی کے علماء تھے۔ ❸

❀ امام احمد اور ابوحاتم نے انہیں ''ثقہ امام'' قرار دیا ہے۔ ❹

❀ مسند میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ وتابعین کو بھی جگہ دی گئی ہے۔بعض مقامات پر غریب ومشکل الفاظ کی توضیح بھی ملتی ہے۔

❀ مسند میں احادیث وآثار کی تعداد (1300) ہے۔

مسند اسحاق ابن راھویہ:

❀ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی التمیمی رحمہ اللہ (م 238ھ) ابن راھویہ کے نام سے علمی حلقوں میں معروف ہیں۔علم حدیث کی تحصیل کے لئے دور دراز کے علاقوں کے سفر کئے۔ ❺

❀ ان کی تالیفات میں مسند کو اہم مقام حاصل ہے۔ یہ مسند ماسوائے جلد ششم کے مرور زمانہ کے ساتھ ضائع ہوگئی۔ فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ ❻

❀ محفوظ مخطوط کا آغاز سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے ہوتا ہے اور آخر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں۔ ❼

❀ یہ جزء اب رحمت الٰہیہ سے زیور طباعت سے آراستہ ہوگیا ہے۔ فللّٰہ الحمد علی ذلك۔

❀ اس مطبوعہ جزء میں روایات کی تعداد (980) ہے۔

---

❶ الجمع بین رجال الصحیحین: 265/1، تذکرة: 413/2، شذرات الذهب: 45/2، سیر أعلام النبلا: 616/10.

❷ السیر: 616/10، تهذیب 215/5.

❸ السیر: 617/10، طبقات السبکی: 140/2.

❹ السیر: 617/10، طبقات السبکی: 140/2.

❺ وفیات الأعیان: 199/1، تاریخ بغداد: 345/2، 346، کتاب الأنساب: 56/6، تذکرة الحفاظ: 433/2، التهذیب: 216/1، العبر: 426/1، سیر أعلام النبلاء: 358/11، ابن عساکر: 410/2.

❻ ابن حجر نے المطالب میں اس کی چھ جلدوں کا تذکرہ کیا ہے۔المطالب العالیة: 3/1، تذکرة ذیل: 334.

❼ تذکرة: 705/2، العبر: 129/2.

مسند احمد:

احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ الشیبانی رحمہ اللہ (م 241ھ) عربی النسل تھے۔ ❶

❀ امام عبدالرزاق اور امام شافعی رحمہما اللہ نے بھی علم میں ان کی فضیلت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ❷

❀ مسند تقریباً تیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ یہ سات سو صحابہ کرام (بشمول صحابیات) کی مرویات کا مجموعہ ہے۔ متن و سند کی مقبولیت کے لئے کڑی شرائط رکھیں۔ اس میں مرفوع کے علاوہ مقطوع احادیث اور آثار صحابہ بھی ہیں۔ امام احمد اپنی زندگی میں المسند مرتب نہ کر سکے البتہ اپنے بیٹے کو اس کا بیشتر حصہ سنا دیا تھا۔ ❸

❀ امام ممدوح رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قلت لأبی لم کرهت وضع الکتاب و قد عملت المسند فقال:عملت هذا الکتاب اماما اذا اختلف الناس فی سنة عن رسول الله رجع إلیه ." ❹

"میں نے اپنے والد احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ آپ کتابیں مرتب کرنے سے کیوں منع کرتے ہیں، حالانکہ آپ نے خود بھی مسند لکھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا: یہ کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے لکھی ہے۔ جب سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں لوگوں میں کوئی اختلاف رونما ہوگا تو وہ اس کی طرف رجوع کریں گے۔"

ان کے علاوہ اس دور میں بہت سے محدثین نے تالیفات کیں۔ یعنی عقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات وغیرہ تمام عنوانات پر مؤلفات حدیث موجود ہیں۔

صحاح ستہ کے مؤلفین کے ادوار:

دوسری صدی ہجری کے پہلے نصف میں تصنیف، تالیف و ترتیب کی جو سرگرمیاں شروع ہوئی تھیں وہ تیسری صدی کے ابتدائی حصے میں ایک نئی علمی تحریک کو وجود میں لانے کا باعث بنیں۔

چنانچہ اس نتیجہ میں کئی کتابیں تصنیف کی گئیں جن سے طلباء حدیث استفادہ کرتے ہیں لیکن جن کتابوں کو

---

❶ طبقات ابن سعد: 354/4، تاریخ بغداد: 431/4، وفیات:63/1۔ 64، العبر: 435/1، شذرات الذهب: 96/2، السیر: 177/11۔ 178 .

❷ تاریخ بغداد: 419/4، تهذیب التهذیب: 73/1، طبقات للسبکی: 28/2۔ 31 .

❸ طبقات السبکی: 31/2، السیر: 181/11، 329 .

❹ خصائص المسند للمدبتی، ص: 8 .

امت مسلمہ میں زیادہ قبولیت حاصل ہوئی وہ درج ذیل ہیں۔

① صحیح بخاری ② صحیح مسلم ③ جامع ترمذی ④ سنن ابوداؤد ⑤ سنن نسائی اور ⑥ سنن ابن ماجہ۔

(1) صحیح بخاری:

حضرت امام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری رحمہ اللہ 13 شوال 194ھ بروز جمعہ پیدا ہوئے اور 256ھ میں سمرقند کے قریب ایک گاؤں خرتنگ میں وفات پائی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے طلب حدیث میں دو مرتبہ شام اور مصر کا دورہ کیا۔ چار مرتبہ بصرہ گئے۔ کئی مرتبہ کوفہ اور بغداد کا سفر کیا۔ علاوہ ازیں بلخ، سمرقند، نیشاپور، رے، بغداد، کوفہ، مکہ، مدینہ، واسط، عسقلان اور حمص کا سفر کیا۔

آپ نے بے مثال حافظہ پایا تھا۔ دس سال کی عمر سے پہلے حدیثیں یاد کرنا شروع کر دیں۔ ایک ہزار سے زائد استادوں سے حدیثیں لکھیں۔ آپ کو ایک لاکھ صحیح احادیث (سندیں) اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد تھیں (یہاں یہ بات یاد رکھیے کہ محدثین کی اصطلاح میں مختلف سند رکھنے والی ایک ہی متن کی روایتوں کو الگ الگ حدیث سمجھا جاتا ہے) صحیح بخاری آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ صحیح بخاری کو آپ نے تالیف کے بعد اپنے وقت کے بڑے بڑے محدثین کے سامنے پیش کیا، جن میں حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت یحییٰ بن معین اور حضرت علی ابن المدینی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ سب نے آپ کی کتاب کو پسند کیا۔ محمد بن سلیمان ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں:

> ”میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے تھے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، جیسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے، جس سے میں مکھیاں اڑا رہا ہوں تو میں نے اس خواب کی تعبیر بعض تعبیر بتانے والوں سے پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جھوٹ کو اڑا دو گے (یعنی ان روایتوں کو جو لوگ خود گھڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرتے ہیں) اس خواب نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مستعد کیا۔“

محمد بن یوسف فربری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ”امام بخاری رحمہ اللہ کہتے تھے: میں نے اس کتاب میں کوئی حدیث نہیں لکھی، جب تک کہ غسل نہیں کیا اور دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔“

صحیح بخاری کا پورا نام ”الجامع الصحیح المسند من امورِ رسول اللہ ﷺ وسننہ وأیامہ“ ہے۔

صحیح البخاری کے بارے میں تمام محدثین اور علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح ہے۔"اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰهِ صَحِیْحُ الْبُخَارِیِّ".

امام بخاری رحمہ اللہ نے چھ لاکھ احادیث (سندوں) میں سے انتخاب کیا اور سولہ (16) سال کے عرصے میں اس کتاب کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں مکمل کیا۔ ہر حدیث کو استخارہ کرنے اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد درج کیا۔صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ کسی شیخ کے کئی شاگردوں میں سے،صرف چند بڑے بڑے اور زیادہ متقی اور زیادہ عادل وضابط شاگردوں کی ہی روایات لیتے ہیں۔

- صحیح بخاری میں تعلیقات کے ساتھ،کل احادیث کی تعداد (9082) ہے۔تعلیقات سے مراد وہ حدیثیں ہیں، جن کی سند میں بعض راویوں کا ذکر حذف کردیا گیا ہو۔معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تعلیقات (یعنی معلق حدیثیں) صرف تراجم ابواب (یعنی عنوانات) میں لائی گئی ہیں۔
- مکرر احادیث کے ساتھ روایات کی کل تعداد سات ہزار دوسو پچھتّر (7563) ہے۔
- صحیح بخاری میں 22 ثلاثیات ہیں۔

(2) صحیح مسلم:

امام مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری نیساپوری بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی طرح حدیث کے بہت بڑے استاد ہیں۔ 240ھ میں بمقام نیشاپور پیدا ہوئے۔ نیشاپور شمالی مشرقی ایران مشہد کے قریب واقع ہے۔ پہلے یہ خراسان کا صدر مقام تھا۔علم کی طلب میں عراق،حجاز،شام اور مصر کا دورہ کیا۔امام بخاری رحمہ اللہ کے استادوں سے بھی فیض حاصل کیا۔ 57 سال کی عمر میں امام مسلم نے 261ھ میں بمقام نیشاپور وفات پائی۔

آپ کی تالیف صحیح مسلم کا درجہ صحیح بخاری کے بعد ہے۔صحیح مسلم کی پندرہ سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں۔سب سے زیادہ مشہور شرح امام نووی رحمہ اللہ (676ھ) کی ہے۔صحیح مسلم میں احادیث کی کل تعداد (7563) ہے۔ حسن ترتیب کے اعتبار سے صحیح مسلم صحیح بخاری سے افضل ہے،لیکن راویوں کی چھان بین کے سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا معیار، امام مسلم رحمہ اللہ کے معیار سے بلند ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک راوی کی اپنے استاد سے ملاقات کا ثبوت ضروری ہے، جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک صرف ہم عصر ثابت ہونا کافی ہے۔صحیح مسلم میں تعلیقات بہت کم ہیں۔مسلم کا طرز ادا صحیح بخاری کی بہ نسبت زیادہ واضح اور قریب الفہم ہے۔صحیح مسلم کی احادیث کی تبویب یعنی مختلف ابواب میں تقسیم بہت بعد میں امام نووی (م 676ھ) نے کی۔

علامہ محمد فواد عبد الباقی رحمہ اللہ نے جو نسخہ شائع کیا ہے، اس میں احادیث کی تعداد، حذفِ مکررات کے بعد، تین ہزار تینتیس (3033) ہے اور مکررات کے ساتھ ان کی تعداد پانچ ہزار سات سو ستتر (5777) ہے۔

(3) سنن ابوداؤد:

یہ امام ابوداؤد سلیمانؒ بن اشعث (پیدائش 202۔عمر 73 سال۔ وفات 275ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب فقہی اور قانونی مسائل کا بہترین ماخذ ہے۔ان میں کل چار ہزار آٹھ سو (4800) احادیث ہیں، جیسا کہ خود امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔لیکن مکرر روایات کے ساتھ ابوداؤد میں احادیث کی کل تعداد پانچ ہزار ایک سو بیاسی (5274) ہے۔خود امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی، جو تمام علمائے حدیث کے نزدیک قابل ترک ہو۔امام صاحب ضعیف روایتوں کے ضعف کی وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کتاب کو مکمل کرنے کے بعد اسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو دکھایا۔ انھوں نے اسے بہت پسند کیا۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح احادیث کو الگ الگ شائع کر دیا ہے۔جس کے اعداد و شمار یہ ہیں۔ جس کے مطابق سنن ابی داؤد میں 78% سے زیادہ احادیث صحیح ہیں۔

(4) جامع ترمذی:

یہ امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ (پیدائش 209ھ۔عمر 70 سال۔ وفات 279ھ) کی تالیف ہے۔نہر بلخ کے کنارے واقع شہر ترمذ میں پیدا ہوئے۔ترمذ افغانستان کی شمالی سرحد پر دریائے آسو کے کنارے ازبکستان کا جنوبی شہر ہے۔ان کے استادوں میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد رحمہم اللہ وغیرہ جیسی ہستیاں ہیں۔سنن ترمذی میں احادیث کی تعداد علامہ ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان کی تحقیق و ترقیم کے مطابق تین ہزار نو سو ترسیٹھ (3956) ہے۔ یہ کتاب تکرار سے خالی ہے۔امام ترمذی رحمہ اللہ صحیح احادیث کے ساتھ حسن اور ضعیف روایات بھی نقل کرتے ہیں، لیکن ہر حدیث کا درجہ بھی ساتھ ساتھ بیان کر دیتے ہیں اور ضعف کی وجہ پر روشنی بھی ڈالتے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور فقہائے اسلام رحمہم اللہ کے مختلف اقوال اور فتاویٰ بھی نقل کر دیتے ہیں۔شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے صحیح اور ضعیف کو الگ الگ شائع کر دیا ہے۔جس کے مطابق سنن ترمذی میں 80% سے زیادہ احادیث صحیح ہیں۔

(5) سنن نسائی:

امام احمد بن شعیب نسائیؒ الخراسانی (پیدائش 215ھ۔عمر 88 سال۔ وفات 303ھ) نے علم کے حصول

کے لیے خراسان، مکہ، مدینہ، مصر، عراق، جزیرہ، شام وغیرہ کے دورے کیے، پھر مصر میں رہائش اختیار کرلی۔ وفات سے ایک سال پہلے دمشق گئے۔ یہاں تشدد کا نشانہ بنے اور رملہ (فلسطین) میں انتقال کیا۔ بیت المقدس میں دفن ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں قتیبہ بن سعیدؒ، امام اسحاقؒ، امام ابی داؤد اور امام ترمذیؒ شامل ہیں۔ شاگردوں میں امام طبرانی، امام طحاوی اور احمد بن اسحاق السنی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ انھوں نے سنن کبریٰ اور سنن صغریٰ کے نام سے دو کتابیں مرتب کیں۔ سنن کبریٰ میں 13102 حدیثیں ہیں۔ سنن نسائی (سنن صغریٰ یعنی مجتبیٰ) میں کل پانچ ہزار سات سو اٹھاون (5758) احادیث ہیں۔ یہی دوسری کتاب مشہورِ زمانہ ہے۔ سنن نسائی تراجم ابواب (عنوانات) اور فقہ الحدیث میں صحیح بخاری سے بہت ملتی ہے۔ حدیث کی علتوں کے ماہر ہیں۔ اس راوی کی روایت کو ترک کردیتے ہیں، جو اوہام کا شکار ہو یا پھر بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہو۔

سنن نسائی میں ضعیف احادیث کی تعداد سب سے کم ہے اور تحقیق البانی کے مطابق اس میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے صحیح نسائی اور ضعیف نسائی کو الگ الگ شائع کردیا ہے۔ جس کے مطابق سنن نسائی میں 92% سے زیادہ احادیث صحیح ہیں۔

(6) سنن ابن ماجہ:

یہ امام ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید (پیدائش 209ھ۔ عمر 64 سال۔ وفات رمضان 273ھ) کی تالیف ہے۔ حصولِ علم اور احادیث کو جمع کرنے کے لیے کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور دیگر ممالک کا سفر کیا۔ ان کے استادوں میں امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (م 235ھ) جیسے بزرگ شامل ہیں۔ علامہ محمد فواد عبدالباقی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ابن ماجہ میں احادیث کی تعداد چار ہزار تین سو اکتالیس (4341) ہے۔

ان میں سے تین ہزار (3002) احادیث کتب خمسہ (بخاری، مسلم، نسائی، ابی داؤد اور ترمذی) میں بھی موجود ہیں۔ 1339 احادیث زوائد ہیں، یعنی جو پچھلی چھ کتابوں میں نہیں ہیں۔ ان زوائد میں سے 428 صحیح، 613 ضعیف اور 99 بہت زیادہ ضعیف ہیں۔

بعض محدثین کے نزدیک اٹھتر (78) روایتیں موضوع (یعنی جھوٹی) ہیں۔ جبکہ علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق موضوع احادیث کی تعداد صرف (41) ہے اور اس کی 80% سے زیادہ احادیث صحیح ہیں۔ یہ کتب قرنِ ثالث کی مدونہ ہیں اور علم حدیث میں سب سے زیادہ مستند اور صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں صحاح ستہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دینی ادب میں ان کو بہت بلند مقام حاصل ہے اور انہیں سنت رسول علی

صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے معرفت کا مستند ذریعہ تسلیم کیا جاچکا ہے۔

یہ کتب قرنِ ثالث کی مدونہ ہیں اور علم حدیث میں سب سے زیادہ مستند اور صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں صحاح ستہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دینی ادب میں ان کو بہت بلند مقام حاصل ہے اور انہیں سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے معرفت کا مستند ذریعہ تسلیم کیا جاچکا ہے۔

چوتھا دور:

چوتھا دور پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں:

1. کتب حدیث کی شروح اور حواشی لکھے گئے۔ مزید برآں دوسری زبانوں میں تراجم کئے گئے۔
2. جن علوم کا اوپر ذکر گزرا ہے۔ ان پر بہت سی تصانیف وجود میں آئیں۔
3. علماء محدثین نے اپنے ذوق اور لوگوں کی ضرورت کے مطابق تیسرے دور کی تالیفات سے احادیث منتخب کر کے مفید کتابیں، مثلاً ① مشکوٰۃ المصابیح، ② ریاض الصالحین، ③ منتقی الأخبار اور ④ بلوغ المرام وغیرہ مرتب کیں۔

اقسام کتب حدیث:

عمومی طور پر محدثین کے ہاں حدیث کے مجموعوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

الف: صحیح:

وہ کتب جو صحیح احادیث پر مشتمل ہوں یا ان کے مؤلفین نے یہ شرط لگا رکھی ہو کہ وہ ان کتب میں فقط صحیح احادیث ہی جمع کریں گے۔ ایسی کتب ''صحیح'' کہلاتی ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ وغیرہ۔

ب: جامع:

جامع وہ کتب ہوتی ہیں جن میں آٹھ کتب یعنی ابواب حدیث کے تحت احادیث جمع ہوں:

① العقائد ② الاحکام ③ الزہد والرقاق ④ آداب الطعام والشراب ⑤ التفسیر ⑥ التاریخ والسیر ⑦ الفتن ⑧ اور المناقب والمثالب۔

جیسا کہ امام بخاری اور ترمذی کی ''الجامع الصحیح'' ہیں۔

ج: مسند:

ایک صحابی کی یا کئی صحابہ کی احادیث کو مراتب صحابہ کے لحاظ سے جس کتاب میں جمع کیا گیا ہو اسے مسند کہا

جاتا ہے۔خواہ یہ ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہو یا بلحاظ سبقت اسلام یا باعتبار شرافت نسب۔جیسا کہ مسند ابو داؤد الطیالسی اور مسند احمد وغیرہ۔

د: معجم:

معجم وہ کتاب ہوتی ہے جس میں صرف حروف تہجی کے اعتبار سے شیوخ، بلدان یا قبائل کے ناموں کے مطابق احادیث کو جمع کیا جائے۔مشہور ترین معاجم،طبرانی کی معجم کبیر،معجم اوسط اور معجم صغیر ہیں۔

ھ: مستدرک:

مستدرک وہ کتاب ہے جس میں ایسی احادیث جمع کی جائیں جو کسی مؤلف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس کی کتاب میں موجود نہ ہوں۔اس سلسلے میں مشہور کتاب امام حاکم (م 400ھ) کی "المستدرك على الصحيحين" ہے۔

و: مستخرج:

وہ کتاب جس میں کوئی مصنف کسی کتاب کی حدیثوں کو کتاب کے مؤلف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اور اس کی سند کتاب کے مؤلف کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر ملتی ہو۔جیسا کہ "مستخرج أبي عوانہ علی صحیح مسلم" ہے۔

ز: جزء:

جس کتاب میں صرف ایک ہی عنوان اور مسئلہ کے تحت احادیث جمع کر دی جائیں اسے "جزء" کہتے ہیں۔ جیسے "جزء رفع اليدين و جزء القرآة للبخاري" وغیرہ۔

ط: سنن:

جس کتاب میں احکام کی احادیث ہوں۔اس کی ترتیب میں سب سے پہلے کتاب الطہارۃ ہوتی ہے۔اس کے بعد عبادات، احوال شخصیہ، معاملات اور جہاد وغیرہ۔مشہور سنن نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ وغیرہ۔[1]

تقسیم برصغیر سے قبل بلکہ یہاں انگریزوں اور منگولوں کے ورود سے بھی پہلے دور تابعین میں ایک تابعی سیّدنا ربیع بن السعد البصری (م160ھ) کے نفس مبارک کے ساتھ انفاس رسول ﷺ (حدیث) کا چراغ روشن ہوا

[1] معجم اصطلاحات حدیث، از ڈاکٹر سہیل حسن، تیسیر مصطلح الحدیث از ڈاکٹر محمود طحان، علوم الحدیث از ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، حفاظت حدیث از خالد علوی۔

جو آج تک بے نور نہیں ہوا۔ بلکہ کئی قلوب و اذہان کو منور کیا جن خوش نصیبوں نے اپنا دم وتن لگا کر ان کرنوں کی حفاظت کرنے کی سعادت پائی ان میں سے چند ایک کا تذکرہ ضروری ہے۔ مشہور محدث حسن بصری (م 110ھ) کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ، شیخ اسماعیل (م 448ھ) رفیق محمود غزنوی، امام رضی الدین صغانی (م 650ھ)، مولانا راجح بن داؤد گجراتی (م 904ھ)، سیّد عبدالاول حسینی، حسام الدین ملتانی، شیخ علی متقی الهندی صاحب کنزل العمال (م 975ھ)، عبدالوہاب متقی (م 1001ھ) اور اس کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اوران کی اولاد واحفاد اور تلامذہ اور ایسے ہی نواب صدیق حسن خان قنوجی اور شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کی محنتوں اور کاوشوں سے اس ملک کی سرزمین نور سنت سے روشن ہوگئی۔ یہ وہ سلسلہ علم حدیث ہے کہ جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ لیلها کنها رھا!

الحمدللہ! اس ملک پاکستان میں تراجم، شروح اور منتخب احادیث کے مجموعوں کی ترتیب واشاعت کا مقدس اور بابرکت مشغلہ اب تک جاری ہے اور جاری رہے گا۔ صحیفہ علی بن ابی طالب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

صحیفہ علی بن ابی طالب:

یہ صحیفہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق صحیح بخاری میں روایت ملتی ہے۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کے پاس کوئی علیحدہ کتاب ہے؟ (جو اور مسلمانوں کے پاس نہ ہو) فرمایا: نہیں، مگر اللہ کی کتاب یا وہ سمجھ (کتاب وسنت کی فہم و فراست) جو ہر مسلمان کو دی گئی ہے، یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کے آزاد کرنے کے احکام اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔''[1]

جامعہ القاہرۃ کلیۃ دارالعلوم کے معروف عالم ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب نے اس صحیفے کی تحقیق، تخریج اور شرح کا کام کرکے طبع کروایا اسے المکتبہ الخانجی نے پہلی مرتبہ 1986ء (بمطابق محرم الحرام 1406ھ) میں قاہرہ سے شائع کیا۔

اظہار تشکر:

آخر میں ہم اپنے ان تمام احباب کو ہدیہ تشکر وسپاس پیش کرتے ہیں جنھوں نے اس کتاب کے آغاز سے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابة العلم، رقم: 111، سنن ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء لایقتل مسلم بکافر، رقم: 1412.

اختتام پذیر ہونے تک کسی بھی طرح کا تعاون کیا۔

سب سے پہلے تو جناب محمد سرور گوہر صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا ضروری گردانتے ہیں کہ انہوں نے انتہائی جانفشانی اور دل جمعی و دل لگی کے ساتھ اس صحیفے کا ترجمہ کیا۔ جزاهم الله خيراً فى الدنيا والآخرة خير الجزاء.

اس کے بعد ہم اپنے سرپرست، قابل صد احترام فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کے ممنون و مشکور ہیں جو دین کے ہر معاملے میں ہماری رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔ حفظه الله و رعاه كل رعاية، وزاده شرفاً و كرماً.

اللہ رب العزت کے حضور سربسجود ہو کر دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکات عنایت فرمائے۔ اس میں جہاں کوئی لغزش یا غلطی ہوئی ہے اس سے درگزر فرمائے، اور قارئین کو اس کتاب سے بھرپور استفادہ کرنے اور پھر عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

وصلى الله على خير خلقه محمد و آله وصحبه وسلم

وكتبه

حافظ حامد محمود الخضری



حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حالات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہ یکتائے عصر ہیں، جن کی پیشانی پر عظمت کا سب سے اہم تاج سجا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! کیا تم یہ سن کر راضی نہ ہوں گے کہ تم میرے نزدیک وہی مرتبہ رکھتے ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کا مقام ومنصب تھا۔

((اِلَّا لَا نُبُوَّةَ بَعْدِیْ .))

''مگر یہ یادرکھنا میرے بعد نبوت ختم ہے۔''

حضرت علی بن ابی طالب ایک بطل اسلام، حیدر کرار ہیں، جن کی زندگی کا ہر صفحہ آفتابِ کردار بن کر چمک رہا ہے، زہد وورع، خشیتِ الٰہی، ایثار وقربانی، مال وجان سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں سے معمور رکھے ہوئے۔

آپ کی پرورش اسلام کے دامن میں ہوئی اور ان کی نشو ونما کے لیے آسمان سے وحی آبِ حیات بن کر انہیں سیراب کرتی رہی، اور پھر یہ ایک پھول چمنستانِ دنیا سے نمودار ہوا جس کی عمدہ خوشبو نے کائنات کے گوشے گوشے کو معطر کر دیا، آج تک ہم ان کی سیرت عطر ریز کے جھونکوں سے نیکی کی خوشبو سونگھ رہے ہیں۔ اور ان کی زندگی کی مشک عنبر زمانے بیت جانے کے باوجود بھی ہر گوشۂ عالم میں مہکار پیدا کر رہی ہے۔ اور اہل دنیا کو بتاتی رہے گی کہ حبیبِ کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کس بلند نہج پر کر گئے، کہ جس طرح آسمان کے ستارے لوگوں کو تاریکی میں راہ دکھاتے ہیں، اسی طرح یہ آسمان نبوت کے دمکتے ہوئے ستارے اللہ تعالیٰ کی راہ دکھاتے ہیں، ایسا کیونکر نہ ہوتا، جو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت خود رب جل وعلا نے کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت یافتہ امت اور قوم کی پرورش اس طرح کی کہ صدیاں بیت گئیں، مگر زمانہ کی صدہا کروٹیں ان کے کردار کے ماہتاب پر گرد نہیں ڈال سکے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی چھٹے برس میں داخل ہوئے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کفالت آ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی ان پر اثر انداز ہوتی ہے۔

آپ ﷺ کی عظمت کے نقوش ان کی زندگی کی راہنمائی کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا پاکیزہ اور روشن ضمیر اور طرزِ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کی خصوصی صلاحیتیں اجاگر کرتا ہے، ظاہر ہے مربی کے معیار کے مطابق ہی تربیت یافتگان ہوتے ہیں، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی عمر کی دس بہاریں دیکھ چکے، تو رسول اکرم ﷺ کو عام دعوت دینے کا حکم ہوتا ہے، آپ ﷺ دعوت دیتے ہیں، تو بچہ ہونے کے باوجود بچوں میں سے سب سے اول اسلام لانے والوں میں شمار ہوا، یہ رسول اکرم ﷺ کی پرورش ہی کا نتیجہ تھا۔ بچپن سے لے کر موت تک ان کی حیاتِ مبارکہ قرآنی تعلیمات اور رسول اکرم ﷺ کے اطوار اور منہج کے عین مطابق گزری ہے۔

سچائی کا پیکر:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بچوں والے کھیل کا کوئی حصہ نہ تھا، نہ تو دیہاتی بانسریوں کی پرسوز صدا تھی، نہ ہی رات کو افسانہ گوئی کرنے والوں کی نغمہ آرائی تھی کہ جن کو سن کر بچوں کے کان میں رس گھلتا تھے اور نوجوان کے دلوں میں وجد پیدا ہوتا تھا، حضرت علی کی زندگی اس سے پاک تھی، خالقِ قضاء وقدر نے ان کے کانوں کے رس گھولنے والی اور دل کے لیے وجد افزا کوئی اور ہی چیز مقدر کر رکھی تھی اور ایسے کلمات حیدرِ کرار کو سکھائے کہ روئے زمین پر انقلاب بپا کر دیا اور زندگی کا رخ بدل دیا، ہاں وہ چیز اس نوجوان کے کانوں میں رس گھولتی ہوئی اور اس کے دل میں وجد آفرینی پیدا کرتی تھی، جس کے ذریعہ اس جوانِ رعنا نے وہ کچھ حاصل کیا، جو دوسرا نہ کر سکا، وہ تھی اللہ تعالیٰ کی آیاتِ مبارکہ انہوں نے تازہ بتازہ قرآنِ پاک اس مبارک منہ سے سنا جو سچائی کا پیکر بلکہ مجسمہ صدق وصفا تھے۔

ذرا تصور کریں، جس سینہ علم خزینہ پر قرآنِ پاک نازل ہوا ہے، آپ اس ہستی کے پرسوز منہ سے اور نرم و گداز آواز میں قرآنِ پاک کی تلاوت سنیں تو تمہاری کیا کیفیت ہوگی، انوارِ قرآنی جو مسلسل وحی کی صورت میں نازل ہو رہی تھیں، ان کے سائے میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات تازہ کا آغاز کیا، ان کی حیران کن نورانیت میں پرورش پائی اور ان آیات کی ترنم خیز صداؤں میں جھوم جھوم کر پروان چڑھے ہیں۔

جب وقت نماز آتا تو رسول اکرم ﷺ مکہ کی کسی گھاٹی میں چلے جاتے، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد اور چچاؤں اور اپنی قوم سے نظریں بچا کر آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیتے، دونوں مل کر وہاں گھاٹی میں نمازیں پڑھتے، اور جب شام ہوتی تو واپس لوٹ آتے، کافی عرصہ اسی طرح کرتے رہے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ نبی اکرم ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک ابو طالب ان پر نمودار ہو گئے اور رسول اکرم ﷺ

سے کہا: اے بھتیجے! یہ کیا کر رہے ہو، یہ کونسا دین ہے، جس کی تم اطاعت کر رہے ہو؟ فرمایا: ''چچا جان! یہی وہ دین ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے، اور فرشتوں اور پیغمبروں اور ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی دین ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، چچا جان! میری نصیحت کے سب سے زیادہ تم حقدار ہو، اور جو میں دعوتِ ہدایت دے رہا ہوں، آپ اس کے قبول کرنے کے بہت زیادہ مستحق ہیں اور آپ کا حق ہے کہ تم میری اس دعوت پر معاونت کرو۔ ابو طالب نے کہا، بھتیجے! صاف بات یہ ہے کہ میں اپنے آبا و اجداد کا دین تو نہیں چھوڑ سکتا اور نہ ہی ان کی رسوم کے خلاف چل سکتا ہوں، لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں، جب تک میں زندہ ہوں، واللہ! تمہیں کوئی تنگ نہیں کر سکتا۔ پھر اپنے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: بیٹے! جس پر تم چل رہے ہو یہ کیسا دین ہے؟ انہوں نے کہا، ابا جان! میں یہ تو نہیں جانتا مجھے اتنا علم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں، اور جو کچھ اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں، اور جو بھی آپ کہتے یا کرتے ہیں، میں اس کی اتباع کرتا ہوں تو ابو طالب نے اس کے جواب میں کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھے خیر ہی کی دعوت دیں گے اور ان کے ساتھ ہی رہنا، یہ کبھی غلط نہیں کریں گے۔ [1]

آپ کے اوصاف کا عکس:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پروان چڑھے، اس لیے یہ آپ کے تمام اندرونی معاملات سے آگاہ تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اخلاق و عادات کو قریب سے پڑھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مشرب رہے تھے، اور تمام حرکات و سکنات، اور اخلاق و عادات کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت پائی، چھوٹی عمر میں ہی پاکیزگی کا حسین لباس زیب تن کیا، اصنام پرستی سے کوسوں دور رہے بلکہ شروع ہی سے ان بتوں سے نفرت تھی۔

ساری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں مصروف رہے، وجہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ ان کے قریب رہے، وابستگی رہی اور تعلقِ خاطر رہا، آپ کی راحت و خدمت پر کاربند رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت سے ہی روشنی حاصل کرتے رہے، اور زیادہ تر آپ کی گھاٹ سے ہی پانی پیا، اس کے ساتھ ساتھ یادداشت کی قوت بہت تھی عقل و فہم وسیع پیمانہ پر رکھتے، اور ذکاوت اور تیز فہمی میں نادرۂ دہر تھے، شجاعت میں یگانۂ عالم، اور بے مثال قوتِ ارادی کے مالک تھے۔ یہ اوصاف حمیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ زہد و سادگی، خوفِ خدا میں

[1] سیرت ابن ھشام: 209/1.

اور حق پر ٹھوس ثبوت رہنے اور اس پر ثابت قدم رہنے میں اور دعوتِ حق دینے میں وہی حیات جاوداں کے نقوش اپنائے جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں اجاگر کیے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی عزم، احتیاط، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں شدت اور ٹھوس پن، اور معاملہ کو تیزی سے طے کرنا اور باطل کا سر توڑنا، اس میں کسی قسم کی مصلحت جوئی اور سستی سے کام نہ لینا وغیرہ اوصافِ عالیہ حاصل ہوئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق کی حمایت اور باطل کی شکست وریخت میں لوگوں کے ساتھ نرمی کرنے سے بالکل نہ آشنا تھے، وہ ہر صورت میں باطل شکن اور ہر صورت میں حق کے طرفدار تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک رعایا کی سیاست دانی کے وہ اصول خواہ وہ اصول سیاست میں سے ہوں، اگر وہ دین اور اس کی فروعات سے میل نہ کھاتے ہوں، تو وہ رعایا کی بہتری کی صلاحیت کبھی نہیں رکھتے، ان کے نزدیک بہتر وہی اصول ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ ہیں، یا پھر آپ کے بعد آپ کے دو خلفاء، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیے ہیں، ان کے علاوہ کوئی اصول نہیں، خواہ وہ کتنے اچھے ہوں۔ ❶

قارئین کرام! آیئے ہم حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل اور ان تمغوں کی تفصیل بتاتے ہیں، جو حبیبِ کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کے سینۂ حکمتِ خزینہ پر سجائے ہیں۔

چٹان ٹھہر جا تیرے اوپر شہید ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حراء پہاڑ پر موجود تھے، اچانک ایک چٹان ہلنے لگی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چٹان حرکت مت کر، ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور شہید ہے۔ ❷

عہدۂ قضا میں ثابت قدمی کی دعا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ مجھے ان لوگوں کی طرف قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں، جو مجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں، ممکن ہے، وہ مطمئن نہ ہوسکیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی مُثَبِّتُ لِسَانِكَ وَیَهْدِیْ قَلْبَكَ .)) ❸

---

❶ الخلفاء الراشدون: 251.
❷ صحیح مسلم: 2471، سنن ترمذی: 3696.
❸ مسند احمد: 88/1، نسائی فی الخصائص: 35.

''اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو درست اور تمہارے دل کی راہنمائی فرمائیں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر جنت میں جائیں گے، عمر جنت میں جائیں گے، عثمان جنت میں جائیں گے، علی جنت میں جائیں گے، طلحہ جنت میں جائیں گے، زبیر جنت میں جائیں گے، عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں جائیں گے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم جنت میں جائیں گے، سعید بن زید جنت میں جائیں گے، اور ابوعبیدہ بن جراح جنت میں جائیں گے۔ [1]

باپ کو دفن کرنے میں شرکت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ابا جان ابو طالب جب فوت ہوئے تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ کے بوڑھے چچا فوت ہو گئے ہیں، کیا کروں؟ فرمایا: جاؤ، انہیں زیر زمین دفن کر دو، سیدھا میرے پاس آنا درمیان میں کوئی اور کام نہ کرنا، میں ابا جان کو دفن کرنے کے بعد حاضر ہوا، فرمایا: جاؤ غسل کرو اور سیدھے میرے پاس آؤ، کوئی اور کام نہ کرنا، میں غسل کے بعد حاضر ہوا، تو آپ نے میرے لیے بہت ساری دعائیں فرمائیں، مجھے بے شمار سرخ اور سیاہ اونٹ مل جائیں، مجھے اتنی مسرت و شادمانی نہ ہوگی، جتنا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے شاداں وفرحاں ہوا۔

حضرت زرّ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے قسم ہے، اس ذات کی جس نے دانہ چیر کر انگوری نکالی اور روح پیدا کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عہد دیا تھا کہ مجھ سے محبت وہی رکھے گا، جو مؤمن ہوگا، اور مجھ سے بغض وہی رکھے گا جو منافق ہی ہوگا اور ایماندار مجھ سے بغض نہیں رکھ سکتا۔ [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے پاس:

حضرت ابن بی لیلیٰ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سنایا کہ چکی چلا چلا کر ہاتھوں میں آبلے بن گئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی شکایت لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، کہ مشقت سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، کوئی غلام عطا فرما دیں، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، غلام آئے ہیں، یہ درخواست پیش کی کہ خدمت کے لیے کوئی لونڈی یا غلام عطیہ فرما دیں، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر پہ موجود نہ تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی خواہش کا اظہار کیا، اور خود واپس چلی آئیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کے

[1] صحیح الجامع الصغیر: 50. [2] صحیح مسلم: 78، سنن ترمذی: 3736.

بارے ان کا مطالبہ بیان کیا، یہ سن کر رسول اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے (سیدنا علی کہتے ہیں) ہم سونے کے لیے بستروں پر دراز ہو چکے تھے، آپ کو دیکھ کر میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی جگہ پر ہی رہو، لیٹے رہو، کوئی بات نہیں، یہ کہہ کر آپ میرے اور میری اہلیہ حضرت فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے، اتنے قریب تھے کہ آپ کے قدموں کی ٹھنڈک میرے سینہ پر محسوس ہو رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمہاری خواہش کا علم ہو چکا ہے، میں اسی لیے چلا آیا ہوں، کیا میں تمہیں تمہارے مطالبہ سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟! ہم نے عرض کی بتائیں، فرمایا: جب تم سونے کے لیے بستر پر قرار پکڑو، تو چونتیس (34) مرتبہ اللہ اکبر کہو، اور تینتیس (33) مرتبہ، سبحان اللہ کہو اور تینتیس (33) مرتبہ الحمدللہ کہو، یہ تمہارے لیے خادم کا مطالبہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ ❶

ابوتراب کنیت کی وجہ:

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں داخل ہوئے، کوئی تو تکار ہوئی بیوی سے ناراض ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر چلے گئے اور مسجد میں لیٹ گئے، نبی ﷺ ان کے گھر آئے، بیٹی سے پوچھا، تمہارے چچا کا بیٹا علی کہاں ہے، انہوں نے کہا، کچھ تکرارسی ہوئی تھی جس کے بعد وہ باہر چلے گئے ہیں، دوپہر کا آرام بھی گھر نہیں کیا، شاید مسجد میں ہوں، آپ ﷺ ان کے پاس گئے، تو دیکھا برہنہ کمر زمین پر دراز اور گرد وغبار سے کمر آلودہ ہے، خود آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی کمر سے مٹی صاف کی اور فرمایا: اے مٹی سے پیار کرنے والے (ابوتراب) اٹھو، پھر آپ انہیں گھر لے کر آئے۔ یہ سبب ہے، انہیں ابوتراب کی کنیت ملنے کا۔ ❷

غزوہ تبوک میں عارضی خلافت کا اعزاز:

مصعب بن سعد رحمہ اللہ اپنے باپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے، تو پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! مجھے آپ بچوں اور عورتوں میں نائب بنا کر جا رہے ہیں، لوگ مجھے طعنہ دیں گے، تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: علی! کیا تمہیں یہ چیز پسند نہیں کہ تم میرے بعد اسی مرتبہ پر ہو، جو موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا، صرف یہ بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ❸

---

❶ صحیح بخاری: 3705، صحیح مسلم: 2727، مسند احمد: 136/1.

❷ صحیح بخاری: 3703.

❸ صحیح بخاری: 4416، صحیح مسلم: 2404.

علی رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہ دو:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ میرے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے، ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کچھ تنقید کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر تشریف لائے، رخ تاباں سے غضب کا شعلہ اٹھ رہا تھا، جو نمایاں نظر آ رہا تھا، میں نے یہ حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے آپ کے غضب ناک ہونے کی پناہ طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی کا شرف:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے خلاف اظہار بیزاری اور ذمہ داری کے اٹھ جانے کے اعلان کے لیے مکہ بھیجا، کہ یہ اعلان کر دینا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے اور جنت میں صرف مسلمان داخل ہوں گے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے بھی کوئی معاہدہ کیا ہوا ہے وہ جس مدت تک ہے، اس مدت تک اس کی پاسداری ہوگی، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے براءت و بیزاری کا اعلان کرتے ہیں، حضرت ابوبکر فرماتے ہیں، میں یہ پیغام پہنچانے کے لیے ابھی تین دن کا سفر ہی طے کر پایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملو اور جہاں ملاقات ہو جائے، انہیں میرے پاس بھیج دینا، اور جو پیغام رسانی میں نے ان کی ذمہ داری لگائی تھی، وہ پیغام مکہ والوں تک تم نے پہنچانا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ہیں، اے اللہ کے رسول! کیا میرے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے!؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پریشان نہ ہوں آپ کے بارے میں بہتری ہی پیدا ہوئی ہے، کوئی بری بات نہیں، پیغام پہنچانے کے متعلق مجھے حکم ہوا تھا کہ میں خود پہنچاؤں یا نسب اور رشتہ داری میں جو زیادہ میرا قریبی ہے، وہ پہنچائے، اسی لیے میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نمائندہ مقرر کیا ہے۔ [2]

کاتبِ معاہدۂ صلح حدیبیہ کا اعزاز:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ماہ ذوالقعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا کرنا چاہا، تو اہل مکہ

---

[1] مسند ابی یعلیٰ: 109/2، فضائل الصحابة للاحمد: 1078.

[2] مسند احمد: 3/1.

نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، تاہم چند نقاط پر صلح طے پائی، جب دستاویز کی تحریر ہونے لگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا، لکھو: یہ وہ دستاویز ہے، جس پر محمد نے صلح نامہ طے کیا ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے، ہم آپ کو محمد رسول اللہ تسلیم نہیں کرتے، اگر مانتے ہوتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تو ہم کوئی رکاوٹ نہ ڈالتے، یہ لکھو، محمد بن عبداللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! اگر چہ میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں، تم محمد رسول اللہ مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ مٹانے سے انکار کر دیا، میں یہ کبھی نہ مٹاؤں گا، وہ دستاویز خود رسول اکرم ﷺ نے اپنے دستِ مبارک میں پکڑی، اسے مٹایا اور اس کی جگہ لکھا، جب کہ آپ اچھی تحریر نہیں کر سکتے تھے، یہ وہ دستاویز ہیں، جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح نامہ طے کیا ہے۔ کوئی بھی مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہ ہوگا، تلوار لے کر داخل ہوسکتا ہے، لیکن وہ بھی میان میں ہو، مکہ والوں میں سے مسلمان ہو کر اگر کوئی ان کے ساتھ جانا چاہے تو اسے لے کر نہیں جائیں گے اور اگر محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے کوئی یہاں مکہ میں رہنا چاہے ساتھ نہ جانا چاہے یہ اسے لے جانے پر مجبور نہ کریں گے۔ معاہدہ کے تحت آئندہ سال جب نبی ﷺ مکہ میں عمرہ کے لیے تشریف لائے، تو وہ تین دن کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہوئی، تو اہل مکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اپنے ساتھی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ سے کہو کہ وہ یہاں سے چلے جائیں، کیونکہ مدت پوری ہوچکی ہے، نبی اکرم ﷺ جب جانے کے لیے روانہ ہوئے، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی نے اے چچا جان! پکارتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا، اسے اٹھا لو! یہ تمہارے چچا کی لختِ جگر ہے۔

آپ نے فرمایا علی مجھ سے ہے:

یہاں حضرت علی، حضرت زید، حضرت جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان کچھ جھگڑا سا کھڑا ہو گیا، حضرت علی نے کہا، اسے میں لیتا ہوں، کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر نے کہا، ایک تو یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، دوسرا اس کی خالہ میری بیوی ہے، اس لیے یہ میرے ہاں رہے گی، حضرت زید نے کہا، یہ میری بھتیجی ہے، اس لیے اسے میں لیتا ہوں تو نبی ﷺ نے اس بچی کو اس کی خالہ کو دینے کا فیصلہ کیا، اور فرمایا: ''خالہ ماں کے قائم مقام ہے اور حضرت علی سے فرمایا: تم مجھ سے ہو، میں تم سے ہوں، حضرت جعفر کو یہ اعزاز دیا، تم جسم و جان اور اخلاق میں میرے مشابہہ ہو۔ حضرت زید سے کہا، تم ہمارے مولا اور بھائی ہو۔ جب بچی جوان ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، آپ حمزہ کی بیٹی سے شادی کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ میری رضاعی بھتیجی ہے، اس سے کسی صورت میرا نکاح جائز نہیں۔ ❶

حضرت حبشی بن جنادہ سلولی، یہ حجۃ الوداع میں شریک تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں، اگر مجھے کسی چیز کی ادائیگی کی ضرورت پڑے، تو میں خود یا علی اسے ادا کریں گے۔ ❷

تین بے مثال اعزازات کا ذکر:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے کہا، کہ تم ابوتراب یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کیوں نہیں کہتے؟ انہوں نے جواب دیا، کہ تین ایسے اعزازات ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہی عطا کیے ہیں، ان کے ہوتے ہوئے، میں ان کے متعلق بدگوئی کا ارتکاب نہیں کرسکتا، مجھے ان میں سے ایک عزت والا تمغہ سرخ قیمتی اونٹوں سے بھی زیادہ پیارا ہے، یہ تو پھر تین ہیں۔

غزوۂ تبوک میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عورتوں اور بچوں کی نگرانی پر اپنا نائب مقرر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں اپنا نائب بنا کر جا رہے ہیں، میرے لیے یہ اعتراض کی بات ہے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا آپ اس پر رضا مند نہیں کہ تمہارا وہی مقام ومرتبہ ہو، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا، صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبوت ختم ہے۔

فتح خیبر کی بشارت:

خیبر کے دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جھنڈا اسے تھماؤں گا، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں، ہم منتظر تھے، دیکھیں یہ کون خوش نصیب ہے؟ اسی انتظار میں رات گزار دی اور رات ختم ہونے کو نہ آتی تھی، صبح ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اُدْعُوْا لِيْ عَلِيًّا" میرے پاس علی کو لاؤ، انہیں بلایا گیا، تو ان کی آنکھیں خراب تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر لب دہن لگایا اور انہیں جھنڈا تھما دیا، وہ لڑنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں خیبر کی فتح نصیب کی۔

---

❶ صحیح بخاری : 4251، سنن ترمذی مختصراً.

❷ مسند احمد: 165/4، سنن ترمذی: 3719، صحیح الجامع الصغیر: 4091.

اہل بیت میں شمولیت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت نازل ہوئی، جس میں اہل کتاب کو مباہلہ کا چیلنج تھا:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: 61)

''ان سے کہہ دو آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں، تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم بھی آتے ہیں، تم بھی آؤ، پھر ہم مباہلہ کرتے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔''

اس آیت کے اترنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ .))

''اے اللہ! یہ میرے گھر والے ہیں۔'' [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موت کے سائے میں شب گزاری:

قریش دارالندوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاحمت کی مہم تیز کرنے کے بارے میں سوچ بچار کے لیے جمع ہوئے ہیں، یہ سب شیطان کے چیلے، ابلیس کی سرکردگی میں جو کہ نجد کے ایک رئیس کی شکل وصورت میں ان کے سامنے نمودار ہوا، آپ کے خلاف آراء پیش کر رہے تھے، آخر کار ان کی رائے، اس بات پر مکمل ہوتی ہے جو کہ ابوجہل بن ہشام نے پیش کی تھی کہ، ہر قبیلہ سے ایک جوانِ لیا جائے، جو مضبوط ہو، حسب ونسب میں بھی بلند تر ہو، اور ہم میں سے بہتر ہو، اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک تیز دھار، قاطع تلوار تھما دی جائے اور انہیں یہ تربیت دی جائے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یکبارگی حملہ آور ہوں، اور آپ کو قتل کر دیں، اس طرح ہی ہمیں جو آپ نے ہماری جان پر مصیبت ڈال رکھی ہے، اس سے راحت پاسکیں گے۔

اس طرح آپ کو قتل کرنے سے مختلف قبائل کے ذمہ آپ کا خون آئے گا، بنو عبد مناف ہر قبیلہ سے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لینے کے لیے طاقت نہ پاسکیں گے، آخر لاچار ہو کر دیت لینے پر رضا مند ہو جائیں گے اور ہم دیت ادا کر دیں گے۔

[1] صحیح مسلم: 2404، سنن ترمذی: 3724، مسند احمد: 185/1.

یہ خونی فیصلہ طے پا چکا تھا، اس پر یک رائے ہو کر یہ لوگ بکھر گئے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے رات کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر جبریل علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لا کر کہتے ہیں: ''آج رات آپ نے اپنے اس بستر پر نہیں سونا، جس پر روزانہ محو خواب ہوتے ہیں، منصوبہ بندی کے مطابق دشمنوں نے ظلمتِ شب کے آغاز پر ہی اکٹھے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کے دروازے کی گھات لگا کر نگرانی شروع کر دی، کہ جب نبی پاک خواب شیریں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں، ہم اسی وقت آپ پر شب خوں مار دیں۔

علی رضی اللہ عنہ آج تم نے میرے بستر پر سونا ہے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حالات کا جائز لیا اور دشمن کے عزائم بھانپ لیے، تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا، اے علی! آج آپ نے میرے بستر پر سونا ہے اور میری یہ سبز رنگ کی حضرموت علاقہ میں تیار شدہ دھاری دار چادر اوڑھ لینا، اور بے فکر سو جانا، تمہیں دشمن کی جانب سے کوئی پریشانی نہیں پہنچے گی، یہ ہدایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے حضرت علی کو دی تھیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی چادر میں سونے کا معمول تھا اور اس کا فائدہ یہ تھا کہ دشمن شبہہ میں ہی رہے کہ یہ آپ ہی سوئے ہوئے ہیں، ان ہدایات سے فارغ ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے باہر تشریف لاتے ہیں اور ان آیاتِ قرآنی کی زیر لب تلاوت فرما رہے تھے:

﴿يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝﴾ (یٰس: 1، 9)

''قرآن حکیم کی قسم! یقیناً آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور راہِ راست پر ہیں، اسے غالب آنے والے، رحم کرنے والے نے اتارا ہے، تاکہ تم اس کے ذریعہ اس قوم کو ڈراؤ، جن کے باپ نہیں ڈرائے گئے، اور وہ غافل ہیں، ہم نے ان کے سامنے بھی دیوار کر دی اور ان کے پیچھے بھی دیوار کر دی، ہم نے انہیں ڈھانپ لیا، وہ دیکھتے نہیں۔''

ان کی تلاوت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کر پتھر پھینکے، ان میں سے ہر آدمی کے سر پر پتھروں کی گرد پڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جانا چاہتے تھے، اس راہ پر گامزن ہو گئے، جو لوگ آپ کا حصار کیے کھڑے تھے، ان کے پاس باہر سے ایک آدمی آ کر پوچھتا ہے، یہاں تم کس کے انتظار میں کھڑے ہو؟ انہوں نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے انتظار میں ہیں، اس نے کہا۔ اللہ کی قسم! اگر تم محمد کے انتظار میں ہو تو پھرنا کام ہو، وہ تو کب کے جا چکے ہیں، وہ تمہارے سروں پر خاک ڈال کر اپنے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔

ان میں سے ہر آدمی نے جب اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ وہ تو خاک سے اٹا پڑا ہے۔ پھر انہوں نے اندر جھانکا، تو کہنے لگے، واللہ! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر میں ملبوس آرام فرما ہیں، اصل میں اس چادر میں جو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے، وہ صبح تک مطمئن رہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جبکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھتے ہیں، تو انہیں یقین آیا کہ وہ آدمی سچ کہتا تھا کہ یہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو جا چکے ہیں۔ غیرت کے پیکر حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ایک قلعہ ثابت ہوئی، وگرنہ اتنی مشکل ترین رات کی ساعتیں ہیں، جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر شب بسری کرتے ہیں۔

دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف:

اللہ تعالیٰ اس کا صلہ عطا کرتے ہوئے اپنے نبی کی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ ان کے بستر کو سعادتوں کا مرکز بنا دیتے ہیں، جو اپنے کمال کی چادر میں لپٹی ان کے دامن میں رفیقۂ حیات کی حیثیت سے آتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبارکباد پیش کرتے ہیں، زرہ سے نوازتے ہیں اور جب فاطمہ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر ان کے گھر کی ملکہ بنتی ہیں، وہ ایک تکیہ، ایک مشک، چھلنی، پیالہ، اور چکی لاتی ہیں، ایک ہی بستر ہے، رات اس پر آرام کرتے ہیں اور صبح اس پر اونٹنی کو چارہ ڈالتی، اور گھر کا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتی ہیں۔ ہاں، ہاں، یہ مصائب، دنیا کے مال میں سے معمولی حصہ تھا، لیکن یہ کوئی کمی والی بات نہیں، ادھر یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فاطمہ، تم راضی ہو کہ میں اعلان کرتا ہوں، کہ تم اس امت کی ایماندار عورتوں کی جنت میں سردار ہو گی، کہا، کیوں نہیں، یہ کافی ہے۔ [1]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے غضبناک کیا، اس نے مجھے غضبناک کیا۔ [2]

جنت جن کی راہوں کو تک رہی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک خاص اعزاز بیان کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ [2] صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

تین آدمیوں سے شوق ملاقات میں بے تاب ہے، جو کہ حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ ❶

کہاں یہ آرام و راحت جنہیں زوال کا سیلاب بہالے جائے گا اور کہاں یہ کمال کا آفتاب جو تا ابد جگمگاتا رہے گا۔

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے تابناک جہادی کارنامے:

حیدر کرار رضی اللہ عنہ تاریخ کی پیشانی پر راہ اللہ میں جدوجہد کرنے کے ایسے تابناک، نورانی اور محیر العقول واقعات رقم کر گئے ہیں، جو ہمیشہ جرأت و شجاعت کی دنیا میں نئی روح پھونکتے رہیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شوق شہادت کی جستجو و تلاش میں اسی طرح سرگرداں رہتے جس طرح کوئی تشنہ لب بے آب و گیاہ صحراء میں آبِ خنک و شیریں کی طلب میں کشاں کشاں پھرتا ہے۔

معرکۂ بدر میں حیدری کارنامہ:

جب غزوۂ بدر میں یہ شاہسوار راہِ اللہ پر روانہ ہوتا ہے، تو یہ کیفیت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ جب ہم اور تم بدر کی جانب روانہ ہوتے ہیں، تو ہم ایک اونٹ پر تین تین سوار تھے، حضرت ابو لبابہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سواری پر سوار ہوتے تھے، لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدل چلنے کی باری آئی، تو حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ سوار ہی رہیں، ہم آپ کی جانب سے پیدل چلنے کی باری خود ادا کر دیتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا اَنْتُمَا بَاَقْوٰی مِنِّیْ وَلَا اَنَا بِاَغْنٰی عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا .)) ❷

''بات یہ ہے کہ میں تم سے قوت میں کم تر نہیں ہوں اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے تم سے زیادہ اجر کے حصول کی ضرورت ہے، اس لیے میں اپنی پیدل چلنے کی باری خود ادا کروں گا۔''

اس شرف و جہاد کی سرزمین میں، جہاں وحشت سے زبانیں گنگ اور سروں کی کھوپڑیوں سے تلواریں ہم آہنگ تھیں، اس عظیم معرکہ گاہ میں ہمارے بطل حریت کا کارنامہ ہمیشہ یاد رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ پہلے میدان میں اترتا ہے، اس کے بعد اس کا ایک بیٹا اور ایک بھائی میدان میں آتا اور للکارتا ہے، ہمارے مدمقابل کون آئے گا؟ یہ دھاڑ سن کر انصار کے نوجوانانِ رعنا لبیک کر جاتے ہیں، وہ کہتا ہے، تم کون ہو؟ انہوں نے بتایا ہم انصار میں سے ہیں، اس نے کہا، تم ہمارے مدِّ

❶ صحیح الجامع الصغیر : 1598 .
❷ مسند احمد: 411/1، مسند ابوداؤد طیالسی: 354 .

مقابل نہیں ہو، ہمارے مقابلہ میں ہمارے رشتہ دار آئیں۔ اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حمزہ اٹھو، علی اٹھو، عبیدہ بن حارث تم بھی اٹھو۔ یہ سنتے ہی تینوں بہادر میدان میں شیر کی للکار بن جاتے ہیں، حمزہ، عتبہ سے زور آزما ہوتے، علی شیبہ کے سامنے صف آراء اور حضرت عبیدہ بن حارث ولید کے مبارز ہوتے ہیں، حضرت حمزہ نے عتبہ کو مار گرایا اور حضرت علی نے شیبہ کو چت کر دیا، عبیدہ اور ولید گتھم گتھا ہوئے اور آپس میں زخمی ہو گئے، اپنے دونوں حریفوں سے فارغ ہو کر حضرت حمزہ اور حضرت علی ولید پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیتے ہیں اور عبیدہ کو میدان سے باہر اٹھا لاتے ہیں۔ [1]

قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یہ تفسیر بیان فرمائی کہ اس آیت مبارکہ کے مصداق ہم ہیں:

﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ (الحج: 19)

”یہ دونوں جھگڑنے والے ہیں، جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑے ہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”روز قیامت میں سب سے پہلا شخص ہوں گا، جو رحمٰن کے سامنے دشمن سے جھگڑنے کے لیے گھٹنوں کے بل بیٹھوں گا، اور ہم تینوں مراد ہیں، میں یعنی علی، حمزہ اور عبیدہ یا ابوعبیدہ جنہوں نے بدر کے دن شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ سے مقابلہ کیا تھا، یہ سب اس آیت میں داخل اور رحمٰن کی حمایت میں لڑنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ [2]

حیدر کرار کا غزوۂ خندق میں جہادی کارنامہ:

عمرو بن عبدود بن عامر خندق کے دن دشمن کے لشکر جرّار کا رئیس تھا، اس سے پہلے یہ معرکۂ بدر میں بھی شریک ہوا اور زخمی بھی ہوا تھا، اور جلتی پر تیل یہ امر تھا کہ یہ شکست کی زہر آلودگی کی کڑواہٹ بھی چکھ چکا تھا۔

یہ جوش میں ہوش سے پیدل ہو رہا تھا، اس نے جنگ بدر کے بعد یہ منحوس نذر مان رکھی تھی کہ جب تک میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کرلوں تب تلک سر پر تیل نہ لگاؤں گا۔

یہ مست ہاتھی کی مانند ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر اپنے وجود پر خاص نشان سجائے کہ سب کو پتہ چل جائے کہ عمرو کہاں ہے، اپنے ساتھ قریش کے شاہسواروں کو لیتا ہوا اور مسلمانوں کی جانب خراماں، خراماں بڑھتا ہے، اور

[1] سنن ابو داؤد: 2665، مسند احمد: 117/1.

[2] صحیح بخاری: 3965۔ مزی نے اطراف میں اس روایت کو نسائی کی جانب بھی منسوب کیا ہے۔

خندق کی جہاں تنگنائی تھی، وہاں کھڑا ہوجاتا ہے مبارزہ کی دعوت دیتا ہے، یہ سرتا پالو ہے میں غرق تھا، بار بار مقابلہ کے لیے للکارتا ہے ادھر سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں، اے اللہ کے نبی! میں اس سے سامنا کرنے کا آرزومند ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیٹھ جاؤ، یہ کوئی معمولی بہادر نہیں یہ عمرو ہے۔''

اتنی دیر میں عمرو، پھر چنگاڑ کر کہتا ہے: کوئی ہے تو میرے مدمقابل آئے اور ساتھ ہی سرزنش کرنے اور عار دلانے لگا، مقابلہ میں کیوں نہیں آتے، اب تمہارا یہ دعویٰ کہاں گیا کہ ہم میں سے جو شہید ہوتا ہے، وہ جنت میں داخل ہوتا ہے، اب جنت کا کوئی طلبگار سامنے نہیں آرہا، اب کی بار حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر عرض گزار ہوئے، اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں میں دست آزمائی کروں، آپ نے فرمایا: ''علی! بیٹھ جاؤ، وہ پھر بیٹھ گئے، اب تیسری مرتبہ وہ فخریہ رجز خوانی کرتا ہے۔

وَلَقَدْ بَحَحْتُّ مِنَ النِّدَاءِ لِجَمْعِهِمْ هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ

''میں نے بیانگ دہل مسلمانوں کی جمعیت کو للکارا ہے، کہ میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا میدان میں آئے۔''

وَوَقَفْتُ اِذْ جَبُنَ الْمُشَجَّعُ مَوْقِفَ الْقِرْنِ الْمُنَاجِزْ

''اور میں اس مقام پر مدمقابل اور ہمسر کو للکارتا ہوں جہاں پر بڑے بڑے دادِ شجاعت دینے والوں کے پتے بھی پانی ہوجاتے ہیں۔''

وَلِذَاكَ اِنِّیْ لَمْ اَزَلْ مُتَسَرِّعًا قَبْلَ الْهَزَاهِزْ

''یہی وجہ ہے کہ اتنا بہادر ہوں کہ زلزلہ خیز مصائب سے پہلے ہی چابکدستی سے کامیابی کے ساتھ نکل جاتا ہوں۔''

اِنَّ الشُّجَاعَةَ فِیْ الْفَتٰی وَالْجُوْدَ مِنْ خَیْرِ الْغَرَائِزُ

''ایک نوجوان بہادر میں صفتِ شجاعت وسخاوت کا ہونا بہترین عادت ہے۔''

یہ سن کر حضرت علی پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! مجھے مبارزت کی اجازت مرحمت فرما دیں، آپ نے پھر فرمایا: ''علی، دیکھ لو، یہ عمرو ہے، جس کی بہادری کا سکہ عرب پر بیٹھا ہوا ہے، عرض کیا، اگرچہ عمرو ہے، آپ اذن تو فرمائیں، اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معرکہ آرائی کی اجازت مرحمت فرما دی

حضرت علی رضی اللہ عنہ عمرو کے مدمقابل پیادہ پا چلتے ہوئے یہ گنگنا رہے ہیں:

لَا تَعْجَلَنَّ فَقَدْ اَتَاكَ ۔۔۔ مُجِيْبُ صَوْتِكَ غَيْرُ عَاجِزْ

فِيْ نِيَّةٍ وَّبَصِيْرَةٍ ۔۔۔ وَالصِّدْقُ مَنْجَىْ كُلِّ فَائِزْ

اِنِّىْ لَارْجُوْ اَنْ اُقِيْمَ ۔۔۔ عَلَيْكَ نَائِحَةَ الْجَنَائِزْ

مِنْ ضَرْبَةٍ نَجْلَاءِ يَبْقٰى ۔۔۔ ذِكْرُهَا عِنْدَ الْهَزَائِزْ

''عمرو! جلد بازی کا شکار نہ ہونا، ایک تنومند تیری للکار کا جواب بن کر آ رہا ہے، اور وہ جذبات کے سیل رواں میں بہہ کر نہیں آ رہا، وہ خالص نیت لے کر آ رہا ہے، اور بصیرت کی راہ پر قدم رنجا فرما اور سچا عزم لیے میدان میں اتر رہا ہے، اور سچائی ہی ہر کامیابی کی اساس اور نجات کا دارومدار ہے، امید ہے کہ آج تیرے جنازہ پر نوحہ خوانی کرنے والی پر درد نوحہ کریں گی، جو آ رہا ہے، وہ ایسا ماہر شمشیر زن ہے، جو ایسے گہرے زخم کرتا ہے، جن کے تذکرے جنگوں میں یادگار ہوتے ہیں، انہیں کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔

یہ اشعار پڑھتے ہوئے، بہادرانہ انداز میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ عمرو سے مبارزت کے لیے چل پڑتے ہیں، اور اس کے قریب پہنچ کر یوں مخاطب کرتے ہیں:

اے عمرو! تو کہا کرتا تھا اگر کوئی تین شرائط پیش کرے تو میں ان میں سے ایک قبول کر لیتا ہوں، عمرو نے کہا، ہاں یہ میں کہا کرتا ہوں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، آج میں تیری بات کو تجھ پر پیش کرتا ہوں۔

میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ تو ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی گواہی دے دے اور رب کائنات کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ عمرو! نے کہا، بھتیجے، یہ مجھے نامنظور ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: واپس اپنے شہر میں چلا جا اور انتظار کر، اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں، آپ غالب آئیں اور اس صداقت کی قبولیت کی وجہ سے دو عالم کی سعادتیں تجھے حاصل ہوں گی، اگر تیرے بقول جھوٹے ہیں، تو پھر ناکام ہوں اور تیری آرزو پوری ہوگی۔ عمرو نے کہا، میں واپس جا کر قریش کی عورتوں کے طعنے نہیں برداشت کر سکتا اور یہ ناممکن ہے، میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نذر کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر مقابلہ کے لیے تیار ہو جا، یہ سن کر قریش کا شاہسوار عمرو ہنسنے لگا، یہ اسی سالہ عمر رسیدہ گھوڑا سوار تھا، اور سرزمین عرب پر اس کی شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، یہ اعلان اس کی بہادری کے کوہِ گراں کے مقابلہ میں صحراء میں چھوٹا سا پتھر پھینکنے کے مترادف تھا، حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا، میں بہت حیران ہوں کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی سرزمین عرب کا باشندہ مجھے اس طرح دعوت مبارزت دے گا، اور مجھے خوفزدہ کرنے کی جرأت پائے گا، مجھے بتاؤ! تم کون ہو؟ اپنا تعارف تو پیش کرو، حضرت علی نے کہا: میں علی ہوں، اس نے کہا عبد مناف کا بیٹا، کہا، میں علی بن ابی طالب ہوں۔

عمرو نے کہا، بھتیجے! میں تو تیرے چچاؤں میں سے سب سے عمر میں بڑا ہوں، تو ابھی کم سن ہے، میں تجھے قتل کرنا پسند نہیں کرتا، یہ میرے لائق نہیں، اس لیے چلا جا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لیکن میں تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں، یہ بات اس پر بجلی بن کر گری، اور عمرو غصہ سے آتش بداماں ہوا، اور سواری سے نیچے اترا، اور تلوار سونت لی، اب یہ عمرو نہ تھا، بلکہ آگ کا گولہ تھا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب لپکا اور غضب کی چنگاریاں اڑاتا ہوا حضرت علی کے سامنے آ کر اور بازوئے شمشیر زن میں تمام توانائی سمیٹتے ہوئے حملہ کرتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے ڈھال سے روکتے ہیں، مگر وہ تلوار ڈھال کو چیرتی ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر جا لگتی ہے اور آپ زخمی ہو جاتے ہیں۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ عمرو کے کندھے پر وار کرتے ہیں، عمرو دولخت ہو کر زمین پر گرتا ہے، گرد وغبار اٹھنے لگا اور فلک شگاف نعرۂ تکبیر کی صدا بلند ہوتی ہوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی، لوگ جان گئے کہ حضرت علی کے ہاتھوں عمرو قتل ہو چکا ہے، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

اَعَلِيٌّ تَقْتَحِمُ الْفَوَارِسَ هٰكَذَا ... عَنِّيْ وَعَنْهُمْ اَخِّرُوْا اَصْحَابِيْ

اَلْيَوْمَ يَمْنَعُنِيْ الْفِرَارَ خَفِيْظَتِيْ ... وَمُصَمَّمٌ فِيْ الرَّاْسِ لَيْسَ بِنَابِيْ

”اے علی! تم اسی طرح شاہسواروں میں گھس جاتے ہو، میرے اور ان سواروں کے درمیان سے میرے ساتھیوں کو ہٹا دو، میں اکیلا ہی کفایت کروں گا۔ آج قابل حفاظت چیز مجھے راہ فرار اختیار کرنے سے روک رہی ہے اور میرا عزم مصمم سوداء بن کر میرے سر میں سمایا ہے، وہ مجھ سے جدا نہیں ہوا۔“

عمرو کی لاش کو پاش پاش دیکھ کر اس دن عکرمہ نے بھی اپنا نیزہ پھینک دیا اور شکست خوردہ ہو کر میدان سے چلا گیا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کیا عمدہ انداز پر کہا ہے:

فَرَّوَ اَلْقٰى لَنَا رُمْحَهٗ ... لَعَلَّكَ عِكْرِمُ لَمْ تَفْعَلِ

وَوَلَّيْتَ تَعْدُوا كَعَدْوِ الظَّلِيْمِ ... مَا اَنْ يُحَرَّ رَعَنِ الْمَعْدِلِ

وَلَمْ تُلْوِ ظَهْرَكَ مُسْتَانِسًا ... كَاَنَّ قَنَاكَ قَفَا فَرْعَلِ

”عکرمہ نے راہ فرار اختیار کی اور نیزہ پھینک کر بھاگ نکلا، عکرمہ تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، تو اس

طرح پیٹھ پھیر کر بھاگ رہا تھا، جس طرح شتر مرغ کا بچہ اپنے واپسی کے رستہ پر بالکل سیدھا پلٹتا ہے، تو پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا تھا، تیری گدی ایسے تنی ہوئی تھی، جیسے بھاگتے ہوئے بجو کی گدی ہوتی ہے۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا، اے علی! تم نے اس سے زرہ حاصل کرنا تھی، وہ عرب کی سرزمین میں بے مثال زرہ تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، اے میرے چچا کے بیٹے!

اس نے بچاؤ کے لیے اپنی شرمگاہ کا سہارا لیا تھا، مجھے حیاء آئی اور میں زرہ لینا ہی بھول گیا، مشرکوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ ہم عمرو کی لاش کی دس ہزار قیمت دیتے ہیں اور وہ لاش ہمارے حوالہ کر دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خبیث لاش ہے، اس کا عوض بھی خبیث ہے، میں ایک پائی بھی نہیں لوں گا۔ [1]

فتح خیبر کے علمبردار حیدرِ کرار رضی اللہ عنہما:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر کے دن جو یہ اعزاز ملا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کل میں ایک ایسے شخص کو عَلَم (جھنڈا) دوں گا، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس شخص کے ہاتھوں خیبر فتح بھی کر دے گا۔''

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے روز، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں قلعۂ خیبر زیرنگیں ہوگا اور وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرتاپا محبت میں رچا بسا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ لوگ رات اسی کشمکش میں گزار دیتے ہیں کہ نامعلوم! وہ کونسا خوش نصیب ہے، جسے یہ جھنڈا ملے گا، اب صبح نمودار ہوتی ہے، تو ہر آدمی امیدوار ہے، شاید آج یہ اعزاز کی کلاہ اس کے سر پر سجے گی، جب لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امیدوں کا انبار لے کر جمع ہوئے، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ بتایا گیا، اے اللہ کے رسول! ان کی آنکھیں خراب ہیں، آپ نے فرمایا: ''انہیں پیغام بھیجو، کہ میں بلا رہا ہوں، جب انہیں لایا گیا، تو آشوبِ چشم میں مبتلا تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعاء فرمائی اور لب مبارک آنکھوں پر لگائی، جس سے وہ بالکل صحت مند ہو جاتے ہیں، ایسے لگ رہا تھا، جیسا کہ انہیں کوئی تکلیف نہ تھی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھنڈا تھما دیا، روانۂ سفر ہوتے ہوئے عرض کرتے ہیں، اے اللہ کے رسول! میں اس

---

[1] البدایہ والنہایہ: 106/4.

وقت تک ان سے جنگ آزما رہوں گا، جب تک وہ ہماری مثل مسلمان نہیں ہو جاتے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے مشن پر روانہ ہو جاؤ اور دشمن کے سامنے میدان میں جب صف آراء ہو، تو انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ کون کون سے حقوقِ الٰہی ان کے ذمہ واجب ہیں، واللہ! اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ اگر ایک آدمی کو بھی راہِ ہدایت پر گامزن کر دے تو یہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے دن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں خیبر فتح کرے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے آج تک کبھی امارت وعہدہ کی تمنا نہ کی تھی، یہ اعزازات سن کر میں نے بھی آرزو کی اور میں سر اٹھا کر دیکھ رہا تھا، شاید مجھے بلایا جائے گا، لیکن رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور یہ جھنڈا انہیں دے دیا، اور فرمایا: علی جاؤ اور مڑ کر نہ دیکھنا، مصروف عمل رہنا حتی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح نصیب کر دے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ چلتے ہیں اور پھر رک جاتے ہیں، نبی اکرم نے چونکہ فرمایا تھا، مڑ کر نہ دیکھنا بغیر مڑ کر دیکھے بلند آواز سے کہا، اے اللہ کے رسول! میں لوگوں سے کس بنیاد پر لڑوں؟ کہا: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت تک ان سے برسرِ پیکار رہو، جب یہ اس کا اقرار کر لیں، تو پھر انہوں نے اپنے خون، مال، وغیرہ کو محفوظ کر لیا ہے، باقی ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ [2]

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ نے خیبر میں پیچھے چھوڑا تھا، ان کی آنکھیں خراب تھیں، یہ کہنے لگے، میں رسولِ اکرم ﷺ سے پیچھے رہوں گا، یہ سوچ کر خود ہی چل پڑے اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جا کر مل گئے۔

جس صبح خیبر فتح ہوا، اس رات نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں صبح ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا، جس سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی رسول سے محبت رکھتا ہے اور اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ خیبر فتح بھی کرے گا، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا، یہ صورت حال ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز عنایت کریں گے، جب حضرت علی آئے تو لوگوں نے کہا، یہ علی ہیں، تو رسولِ اکرم ﷺ نے

[1] صحیح بخاری: 4219، صحیح مسلم: 2406، نسائی فی فضائل الصحابة: 46.

[2] مسند احمد: 384/2، مسند ابوداؤد طیالسی: 2441.

جھنڈا انہیں دیا، اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔" ❶

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا پکڑا اور اسے لہرایا، اور فرمایا: "اس کا حق ادا کرنے کے لیے اسے کون پکڑے گا؟ یہ سن کر جانثار آگے بڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پیچھے ہٹ جاؤ، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو عزت بخشی ہے، یہ جھنڈا میں اس شخص کو دوں گا، جو بھاگے گا نہیں، علی آؤ، یہ آگے بڑھے جھنڈا لیا، تو اللہ تعالیٰ نے خیبر اور فدک کا علاقہ ان کے ہاتھوں فتح کر دیا اور آپ وہاں سے عجوہ اور قدید کھجوریں لائے۔ ❷

جب مرحب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا دینے کا اعلان فرمایا تو مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، میں گیا تو دیکھا کہ ان کی آنکھیں دکھتی تھیں، میں انہیں ہاتھ سے پکڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر لب مبارک لگایا تو وہ تندرست ہو گئے، انہیں آپ نے جھنڈا دیا، جب یہ میدان میں اترے تو ان سے لڑنے کے لیے مرحب نکلا اور فخریہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّیْ مَرْحَبٌ
شَاكِیْ السَّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبٌ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، میں ایک ایسا بہادر ہوں جو ہتھیار بند اور ماہر تجربہ کار ہوں، جب جنگیں رونما ہوں تو میں شعلہ جوالہ بن کر لپکتا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب آں غزل کے طور پر رجز خوانی کی جس سے میدان وغا گنگنانے لگا:

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ
اُوَفِّيْهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہ ہوں کہ میری والدہ نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں جنگل کے شیر کی مانند ہوں، جس کا منظر و

❶ صحيح بخاری: 3702، صحيح مسلم: 2407.
❷ مسند احمد: 16/3، فضائل الصحابة الإمام احمد : 987.

تصور بہت خوفناک ہے، اور میں پیمانہ کا ماپ پورا دیتا ہوں، یعنی مقابلہ آرائی میں کمی نہیں کرتا۔''

اور جوشِ حیدری مجتمع کرتے ہوئے تلوار مرحب کے سر پار ماری، اور اسے قتل کر دیا اور قلعہ خیبر ان کے ہاتھوں سر ہوا۔ ❶ مرحب کوئی معمولی بہادر نہ تھا، یہ یہودیوں کے نامور شاہسواروں میں شامل تھا اور عبرانی زبان میں اس کی تلوار پر یہ نقش تھا:

هٰـذَا سَيْفُ مَـرْحَـبُ مَـنْ يَّـذُقْهُ يَعْطَبْ

''یہ مرحب کی شمشیر آبدار ہے، اسے جو چکھے گا، وہ ہلاکت کا سزاوار ہے۔''

جب ضربِ حیدری کی زد پڑی تو اس نے مرحب کی ڈھال پاش پاش کر دی اور اس کا سر دو ٹکڑے کر دیا اور تلوار کی کاٹ اس کی داڑھوں تک دھنس گئی۔

اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کے بھائی حارث کو بھی تہ تیغ کیا اور ایک یہودی سپہ سالار سے بھی دست آزمائی کی، اس مشہور سپہ سالار اور شاہسوار کا نام عامر تھا، یہ جب نمودار ہوا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم دیکھتے ہو کہ یہ پانچ زرہیں پہنتا ہے، جب یہ میدان میں آیا تو دو زرہیں زیبِ بدن کر رکھی تھیں اور یہ لوہے میں غرق تھا، طویل

جسم والا تھا، اس نے مقابلہ کے لیے للکارا اور شمشیر بکف ہو کر تلوار کو لہرایا، چلاتے ہوئے بولا۔

ہے کوئی مقابلہ کرنے والا! لوگ سامنے آنے کی ہمت نہ پا رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان میں اترتے ہیں اور شمشیر زنی کے تمام داؤ و پیچ استعمال کرتے ہیں لیکن اسے کوئی اثر نہ ہوا، آخر کار اس کی پنڈلیوں پر تلوار ماری وہ بیٹھ گیا، پھر آنکھ جھپکتے ہی اس پر وار کیا اور اس کا کام تمام کر دیا، اور اس کے ہتھیار لے گئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ناعم قلعہ جو کہ خیبر کے قلعوں میں سے بہت محفوظ اور مضبوط قلعہ تھا، علی کے ہاتھوں فتح یاب کیا۔

تاریخ آپ کے ان روشن، بہادرانہ کارناموں کو کبھی مٹا نہ سکے گی، اور جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے، تب تلک ہم انہیں بھلا نہ سکیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تک حیات مستعمار میں بقید رہے، حبیبِ کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نورِ علم زہد اور اخلاق سیکھتے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو غم وحزن کے سمندر میں ڈوب گئے، اور اس

❶ صحيح مسلم : 1807.

قدر متاثر ہوئے، قریب تھا کہ قلب وجگر پھٹ جاتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محبوب پیغمبر کو ہی جدا نہ کیا، بلکہ آپ کی پرورش میں رہے تھے، جس کی وجہ سے آپ ایک اپنے بے مثال مربی سے بھی محروم ہوگئے تھے، وہ ہستی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تھی، جس نے ان پر انعامات کی بارش کر دی تھی، آج اسی ابر بہار کا سایہ ان کے سر سے اٹھ چکا تھا، آج وہ محسن و معلم انہیں داغ مفارقت دے گیا، بچپن میں جن کی رحمدلی و مہربانی اور علم دانی کا ان کی ذات گرامی پر تو تھا۔

آہ! آج وہ کریم ہستی دنیا سے رخصت ہورہی تھی، جس نے اپنی آنکھوں کا نور، اور دل کا سرور اور اپنی جگر گوشہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علی کی رفیقۂ حیات بنایا، ایسے کریم نبی کی وفات پر ان کا دل اشک بار نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تینوں خلفاء سے وابستہ رہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے وابستہ رہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی قدر و منزلت جانی، تمام اہم اور بڑے معاملات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے رہے اور مدت دراز تک ایسا ہوتا رہا کہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف فوراً رجوع فرماتے اور انہیں شریک معاملہ کرتے ہوئے فرماتے، اے ابوالحسن! اس مسئلہ کے بارے میں بتاؤ تمہارا کیا مشورہ اور کیا رائے ہے، وہ بتاتے تو پھر اقدام کرتے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلیفۂ دوم امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی آپ کے تعلقات بہت اچھے رہے، یہ بھی ان کی قدر و منزلت پہچاننے میں کمی نہ کرتے تھے، بلکہ ایک عرصہ تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقہ، ذہانت و بصیرت سے مستفید ہوتے رہے، حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ مشہور تھا: "لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر بہت سارے معاملات میں نقصان اٹھاتے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور خلیفۂ راشد و ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین اور امت کے کار پرداز بنے امورِ امت کی سرانجامی کی زمام ہاتھ میں لی، تو یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کرتے، نصیحت لیتے اور بھرپور تعاون حاصل کرتے رہے، حضرت عثمان کی شہادت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں کا سدِ باب دہلیز سمیت ٹوٹ گیا، اور فتنہ انگیزی کا نہ ختم ہونے والا مسلسل سلسلہ شروع ہوگیا حضرت علی رضی اللہ عنہ سرپرست خلافت ہوئے، ان حالات میں یہ خلیفہ بننے کے لیے تیار نہ تھے، مگر بادلِ ناخواستہ یہ عہدہ قبول کرنا پڑا۔ سب سے بڑا فتنہ جو رونما ہوا، وہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جنگ بپا

ہوئی، اس سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو بھی کشیدگی رونما ہوئی، اور جو بھی جنگ جاری ہوئی وہ اجتہادی تھی، بہرصورت حق وصواب کا پہلو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب جھکا ہے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کار قرار نہیں دیں گے، وہ معذور ہیں، کتاب وسنت کے دلائل دونوں کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ [1]

حیدر کرار علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفۂ راشد تھے:

ابوتراب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی کی مترنم آبشار سے محیر العقول کارنامے اور عظمت وجلالت کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں، ان کی عظمت اور اوجِ ہمت کا میدان نہایت ہی دلکش اور کشادہ ہے، ان کے بہادرانہ کارناموں کا سمندر اتنا عمیق ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں، اس کی لہروں پر ان کی جوانمردی، سرفروشی اور عظمت و بزرگی کے جوہر اپنی تابانی دکھا رہے ہیں اور ایسے حیرت انگیز کارنامے ہیں کہ اگر تاریخ پر صداقت کی چمک نہ ہوتی تو وہ ہمیں ایک داستان نظر آتے، لیکن وہ ایسے سچے کارنامے ہیں کہ یقین کیے بغیر چارہ کار نہیں۔

حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ ایک ایسے عظیم بطلِ حریت مجاہد اسلام تھے، جنھوں نے دنیا میں قرابتداری قائم کی، تادم مرگ استقامت کے کوہِ گراں رہے، طہارت و پاکیزگی کے دھارے بہا دیئے اور ایسے شاہین تھے، جنھوں نے اخلاق عالیہ کی چٹانوں پر بسیرا کیا، آپ عظمتوں کی علامت اور تمام بزرگیوں کی ساخت تھے، رہتی دنیا تک ان کی عظمت کا نشان مٹ نہ سکے گا۔ (ان شاء اللہ)۔

ضرار بن ضمرہ کنانی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصافِ جلیلہ کا اس پیرایہ میں ذکر کرتے ہیں: بہت ہی زیادہ بلند ہمت، مضبوط قوت والے، فیصلہ کن کلام کرتے، عدل کے مطابق کام کرتے، دنیائے دوں کی خیرہ کن چمک سے نامانوس، نیم شب کی وحشت میں عبادت سے مالوف، خوفِ الٰہی سے آنکھوں سے اشک رواں رہتے، طویل فکر میں غلطاں رہتے، خود اپنے نفس کے محاسبہ پر کف افسوس کرتے، سادہ خوراک کھاتے اور کھدر کی پوشاک پہنا کرتے تھے، آپ کو طاقتور باطل پر آمادہ نہ کرسکتا تھا، اور نہ ہی ناتواں ان کے عدل سے محروم ہوتا تھا۔

دنیا سے بے زار:

ضرار کہتے ہیں: ''میں خود اس پر گواہ ہوں، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ رات کی سیاہی نے اپنی

[1] البدایہ والنہایہ: 629/5.

طنابیں لٹکا دیں اور جھلملاتے ستارے غروب ہو رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ محراب میں کھڑے ہیں، اپنی ریش مبارک مٹھی میں لے رکھی ہے، مار گزیدہ کی مانند پیچ وتاب کھا رہے اور غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے شخص کی مانند زخمی دل ہو کر آنسو بہا رہے ہیں، اور کہتے ہیں اے دنیا! اے دنیا! تو مجھے ورغلا رہی ہے، اپنی طرف رغبت کا شوق دلا رہی ہے، چلی جا، چلی جا، مجھ سے دور چلی جا، بہت دور چلی جا، کسی اور کو جا کر اپنے دامِ فریب میں پھنسا، میں نے تو تجھے تین طلاقیں دے رکھی ہیں، جن میں رجوع کا حق نہیں۔

اے دنیا! تیری عمر کوتاہ ہے، تیری عیش بے ہمتا ہے، تیری خطرنا کی حد سے زیادہ ہے، آہ! سفر بہت لمبا، مگر زادِ راہ بہت کم ہے، اور رستہ ایسا ہے، جس میں قدم قدم پر وحشت ٹپکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بیت المال کو مستحقین پر تقسیم کرتے تو وہ خالی ہو جاتا تو ذمہ دار کو حکم دیتے، اس بیت المال پر پانی کا چھڑکاؤ کرے اور اسے اچھی طرح دھوئے، جب وہ یہ کام کر دیتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس زمین پر دو رکعات نماز ادا کرتے، آپ جلیل القدر مقصد کے لیے کرتے تھے، کہ آپ اس عہد کی تجدید کرتے کہ میری دنیا پر آخرت کی اصلاح غالب ہے اور سلطنت پر ورع وتقویٰ کا نفاذ تازہ ہو جاتا تھا، اور معاشرہ پر بھی اس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے تھے، اور لوگوں کے دل وجان بھی پرہیز گاری کی خنکی پاتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قصر امارت میں اترنے کی دعوت پیش کی گئی، یہ ایک بلند چوٹی والا شاندار محل تھا، اسے پوری گردن اٹھا کر دیکھنا پڑتا تھا، اس کی سجاوٹ دیکھ کر کہنے لگے، میں اس میں کبھی نہ رہوں گا۔ بازار سے تین درہم میں ایک چادر خرید رکھی تھی، وہی زیب تن رکھتے، اور گدھے پر سوار ہوتے، اور کہتے تھے، مجھے چھوڑ دو، میں اس دنیا کی اہانت کرتا رہوں گا، مجھے کچھ نہ کہو۔ آہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ جو دنیا سے کوچ کر گئے ہیں، لیکن ہمارے دلوں میں ابھی تک بستے ہیں، چلے تو گئے ہیں ہمارے دلوں سے نہیں گئے۔

آپ کا منہج اور آپ کا طرزِ حکمرانی ہمارے لیے ایک معلم وھادی کی حیثیت رکھتا ہے، ہر دور اور ہر قوم کے لیے اس میں تعلیم وتربیت ہے کہ دنیا اور شیطان کی ورغلاہٹ میں نہ آنا، حق تعالیٰ کی دوستی قائم رکھنا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ خلافت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زیبائی نہیں دی، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کارناموں نے خلافت کا حسن دوبالا کیا ہے۔

مَـــا زَانَـــــهُ الْـمُـلْكُ اِذْ حَـوَاهُ
بَـــلْ كُـــلُّ شَـــیْءٍ بِـــهٖ یُـزَانُ

جَـوٰى فَـفَــاتَ الْـمُـلُـوْكَ سَبْـقًــا

فَــلَيْـــسَ قُـــدَّامَـــهٗ عَـنَّـــانْ

نَـــالَـــتْ يَـــدَاهُ ذُرَا مَــعَـــالٍ

يُـعْـجِـــزُ عَـنْ مِثْـلِهَـــا الْعِيَـانْ

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ملک پر خلیفہ ہوئے، تو ملک ان کے لیے زیبائش کا سامان نہ بنا، بلکہ ہر چیز کو ان کی بدولت زینت ملی۔ جب چلے تو ایسی رفتار چلے کہ دنیا کے شاہوں سے سب پر سبقت لے گئے، کوئی بھی صاحب عنان و اقتدار ان سے آگے نہ گزر سکا۔ ان کے ہاتھوں ایسے کارہائے نمایاں سر انجام پائے کہ بلند ترین مقام کی ایسی چوٹی پر ٹھہرے جو کہ انسان کی دسترس سے باہر ہے۔''

زہد و تقویٰ کی ایسی بلند و بالا منازل طے کیں کہ بہت بڑا جوانمرد، زاہد، اور بارگاہ الٰہی میں جھکنے والا بھی سرگرداں ہوجاتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ دنیا کی اہانت ظاہر کریں اور اس کی ہولناکیوں اور ہوس ناکیوں کو کم تر ثابت کریں اور اس کی فریب کاریاں جب حرکت میں آتیں، تو ان کے چہرے پر ایسا طمانچہ رسید کرتے، جس میں لرزش نہ ہوتی تھی۔

سادگی اور زہد کا پیکر:

اتنے سادہ کہ ایک بار درّہ ہاتھ میں لیے بازاروں میں گشت کر رہے تھے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے اور تجارت اچھے طریقہ سے کرنے کا حکم دے رہے ہیں، ماپ اور وزن پورا کرنے کی تلقین فرماتے اور یہاں تک کہ قصابوں سے کہتے: گوشت میں پھونک بھر کر اسے فروخت نہ کرو کہ یہ موٹا تازہ لگے۔

آپ ایک دن باہر تشریف لائے، دو چادریں زیب تن ہیں، ایک تہبند کے طور پر باندھی اور ایک اوپر لپیٹ رکھی ہے، تہبند کا ایک کنارہ اوپر اٹھا رکھا اور ایک نیچے لٹکا رکھا ہے، کہا، میں یہ اندازِ لباس اس وجہ سے اختیار کر رہا ہوں، تاکہ تکبر سے دور رہ سکوں اور میری نماز کی ادائیگی اچھے طور پر ہو جائے، ایک مؤمن صادق اس طریقہ سادگی کو اپنائے۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت یقین پر مبنی تھی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت فطرتی، یقین پر مبنی اور طبعی تھی، اس میں کوئی تکلف نہ تھا، فرمایا کرتے تھے بس

[1] صلاح الامة: 67/6، سيد حسين.

میں اسی بات پر راضی ہوں کہ مجھے امیر المومنین کہہ دیا جائے، اور بس اتنا ہی کافی ہے، یہ درست نہیں، اگر میں امیر المومنین کہلواتا ہوں، تو پھر ایمانداروں پر جو مصائبِ زمانہ نازل ہوں، مجھے ان میں ان کا برابر شریک ہونا ہوگا، واللہ! اگر میں چاہوں تو صاف شفاف شہد استعمال کروں اور عمدہ ترین گندم بطورِ اناج کھاؤں اور نرم و ملائم لباس پہنوں، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، میں اس سے بہت دور رہوں گا کہ میری خواہشات مجھ پر غلبہ نہ پا سکیں اور ایسا کیونکر ہو، میں رات گزاروں سیر شکم ہو کر اور میرے قریب بھوکے بلک رہے ہوں اور جگر سوختہ تڑپ رہے ہوں، میں یہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر براجمان ہو کر کہا۔ اے عہدۂ حکومت رکھنے والو! تمہارے ذمہ تمہاری رعیت کے حقوق ہیں، ان کا خیال رکھنا فیصلہ عدل سے کرو، تقسیم میں مساوات رکھو، اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نیکی یہ ہے کہ امام وقت عادل و منصف مزاج ہو۔ ❶

اپنے تحائف بھی بیت المال میں جمع کرا دیئے:

علاء بن عمار بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب فرمایا: اے لوگو! مجھے اپنے معبودِ حقیقی کی قسم! میں نے تمہارے مال سے معمولی چیز بھی نہیں لی، اپنی قمیض کی آستین سے ایک ڈبیا سی نکالی جس میں عطر تھا، کہا یہ لیا ہے، وہ بھی اس طرح کہ ایک رئیس نے مجھے یہ تحفہ میں دی ہے پھر بیت المال کے پاس آتے ہیں، اس میں وہ ڈبیا رکھتے ہوئے کہتے ہیں، یہ بھی لے لو، اور اسے بیت المال میں جمع کر دو اور کہتے ہیں۔ اگر چہ ایک ٹوکرا کھجوروں سے بھرا ہوا ہو، لیکن کامیاب وہی ہے جو اس سے بھی دن میں ایک مرتبہ کھائے اور کثرت سے نہ کھائے۔ ❷

حیدر کرار کھانے میں تکلف نہ کرتے تھے:

عبداللہ بن زریر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، عید الاضحیٰ کے دن ہم حضرت علی کے پاس داخل ہوئے، انہوں نے خزیرہ (ایک کھانا ہے)، پیش کیا، ہم نے ان سے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کریں، ہمیں یہ بطخ کا گوشت کھلانا تھا، اب تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بہتری عطا کر رکھی ہے، فرمایا: ابن زریر! میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے مال میں سے خلیفہ کے لیے صرف دو پیالے لینے حلال ہیں، ایک پیالہ وہ جس میں وہ خود اور اس کے اہل و عیال کھائیں، دوسرا پیالہ وہ جس میں خلیفہ لوگوں کے ساتھ مل کر کھائے، اس لیے میں

---

❶ تمهيد ابن عبدالبر: 284/2.

❷ حليه ابى نعيم، البدايه: 3/8، تاريخ الاسلام للذهبى.

نے تمہیں کھلانے میں زیادہ تکلف نہیں کیا۔ ❶

زہد وتقویٰ اور عدل کا معیار دیکھیے کتنا بلند ہے کہ آپ امت کے مال میں سے معمولی چیز لینے میں بھی کتنی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ عنترہ بن عبدالرحمٰن شیبانی بیان کرتے ہیں، میں خورنق (کوفہ کے ایک مقام) پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے ایک چادر اوپر لے رکھی اور ٹھنڈک سے کانپ رہے تھے، میں نے عرض کیا، امیر المومنین! مسلمانوں کے بیت المال میں آپ اور آپ کے اہل وعیال کے لیے اللہ تعالیٰ نے حصہ مقرر کر رکھا ہے، کوئی گرم کپڑا لے لینا تھا، جب کہ آپ کپکپا رہے ہو، فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہارے مال سے کچھ نہ لوں گا، میرے لیے بس یہی چادر کافی ہے، جو میں اپنے گھر سے لے کر نکلا ہوں۔ ❷

مال تقسیم کر کے اس جگہ پر نماز پڑھتے:

عدل وانصاف کا منظر دیکھیں، علی بن ربیعہ والبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ابن نباح آیا اور کہتا ہے، امیر المومنین! مسلمانوں کا بیت المال سونے اور چاندی سے بھر گیا ہے، حضرت علی نے اللہ اکبر کہا اور ابن نباح پر سہارا لیے بیت المال کے قریب کھڑے ہوکر کہتے ہیں: اگر اس بارے میں کوتاہی کا ارتکاب کروں، تو مجھے کف افسوس ہوگا، اے ابن نباح! کوفہ کے لوگوں کو بلاؤ، بس منادی کرا دی گئی، تمام بیت المال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اس کے بعد سونے اور چاندی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے سونے اور چاندی! کسی اور کو دام فریب میں پھنساؤ میں تمہاری چمک سے خیرہ چشم ہونے والا نہیں، پھر اس مقام پر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور دو رکعات نماز ادا کی۔ ❸

حیدر کرار اپنی تلوار ذوالفقار فروخت کرتے ہیں:

فقر وغنا کے پیکر اور قناعت کے سراپا کا حال دیکھیں، ارقم بیان کرتے ہیں، میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بازار میں دیکھا کہ وہ کھڑے اپنی تلوار برائے فروخت کا اعلان کر رہے اور کہتے ہیں یہ شمشیر آبدار مجھ سے کون خریدے گا؟ مجھے قسم ہے، اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑ کر اناج پیدا کیا، میں نے اس ذوالفقار کے ذریعہ کئی بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا ہے، میں اسے مجبوراً فروخت کر رہا ہوں، اگر میرے پاس تہبند کی قیمت کے پیسے بھی

---

❶ مسند احمد: 78/1.

❷ صفة الصفوه، ابن جوزی، حلیه، ابو نعیم، تاریخ اسلام، ذهبی.

❸ حلية الأولياء.

ہوتے تو میں اسے ہرگز فروخت نہ کرتا۔ [1]

حیدر کرار کی عدالت کی عظمت:

حقیقت یہ ہے کہ جب ہم خلیفہٴ راشد، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں بات کرتے ہیں، تو گویا کہ ہم انسانیت کی عظمت وعدالت کی تاریخ کا تذکرہ کرتے ہیں عدل وانصاف تو ان کے تن و بدن کے ہر بال سے آفتاب کی کرنیں بن کر دمکتا ہے، وہ امت کے استاد ہیں، اپنے لشکر کو کیا ہی خوب ہدایات دیتے ہیں۔ بھاگ جانے والے کو قتل نہ کرو، زخمی کو نہ مارو، عورتوں کو اذیت نہ پہنچاؤ، اگرچہ وہ تمہیں اور تمہارے امراء اور صلحاء کو گالیاں ہی کیوں نہ دیتی ہوں، اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ تم کامیاب قرار پاؤ۔ اسود دؤلی نے بہت ہی عمدہ خراج تحسین پیش کیا اور آپ کے بے لاگ عدل کا تذکرہ کیا ہے:

يُقِيْمُ الْحَقَّ لَا يَرْتَابُ فِيْهِ
وَيَعْدِلُ فِيْ الْعِدىٰ وَالاَقْرَبِيْنَا

"حضرت علی رضی اللہ عنہ حق کے قائم کرنے والے ہیں اور اس میں ذرہ برابر شک کا شکار نہیں ہوتے، دشمنوں اور قرابتداروں میں عدل کا خیال رکھتے ہیں۔"

وَنَفْسًا لَمْ تَذُقْ طَعْمَ الدَّنَايَا
وَلَا لَذَّتْ مِنَ الدُّنْيَا طَعَامَا

"یہ ایک ایسی ذات گرامی ہیں کہ کمینگی ان کے قریب تک نہیں آئی اور نہ ہی انہوں نے لذت افزا کھانا کھایا ہے۔"

غَذَاهَا الدِّيْنُ مُذْ كَانَتْ فَشَبَّتْ
عَلَى التَّقْوٰى رُضَاعًا وَّانْفِطَامَا

"اس ذات گرامی کی غذا دین ہے، یہ اسی پر پروان چڑھی ہے، اس کی شیر خواری اور دودھ چھڑانا بھی تقویٰ اور دین داری پر ہوا ہے۔"

وَنَشْأُهَا عَلٰى كَرَمٍ وَّاَيْدٍ
وَصَاغَ مِنَ الْجَلَالِ لَهَا قَوَامًا

---

[1] حلیه: 83/1، مصنف بن ابی شیبه: 157/8.

''اس ذات گرامی کی نشو ونما کرم وسخاوت پر ہوئی ہے اور احسان کا پیکر ہے، اس کا سانچہ جلالت میں ڈھلا ہے۔''

ذَكَتْ فَسَمَتْ عَنِ الدُّنْيَا طِلَابًا
وَاَضْنٰى حُبُّهَا قَوْمًا وَّتَامَا

''یہ ایسی ذات گرامی ہے، جو روشن ضمیر اور فہم و ذکاوت کا سراپا تھی، یہ دنیا کی طلب پر غالب آ گئی، جب کہ اس دنیا کی محبت نے دوسرے لوگوں کو لاغر کر دیا ہے۔''

طَوٰى عَنْهَا عَلَى الضَّرَّاءِ كَشْحًا
وَعَافَ نُضَارُهَا تِبْرًا وَّسَامًا

''اس نے دنیا کی تکلیف سے پہلو تہی اختیار کر لی تھی اور اس کے سونے اور اس کی نام ونمود سے نفرت کی۔'' ❶

مزید کہتا ہے:

يُذِلُّ بِعِزِّهَا نَفْسًا وَّيَرْضٰى
لِدَفْعِ الضَّيْمِ عَنْهَا اَنْ يُّضَامَا

''یہ ان حدود کے نفاذ پر جان بھی قربان کر دیتے، لیکن ان پر آنچ نہیں آنے دیتے۔''

اِذَا مَارَنَّ صَوْتُ الْحَقِّ مِنْهُ
تَوَلَّى الْاِفْكَ وَانْحَطَمَ اِنْحِطَامَا

''جب کوئی ظلم کرتا، یا جھوٹ کا طوفان کھڑا کرتا ہے، اور حق کی آواز رو رو کر فریاد کرتی ہے، تو یہ حق کا بول بالا کرتے ہیں۔'' ❷

خود زخموں سے گھائل مگر عدل کا دامن نہ چھوڑا:

آپ جب زخموں سے گھائل ہوئے، اس وقت آپ نماز کی تیاری کر رہے تھے، کوفہ کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے، لوگوں کو نماز فجر کے لیے بیدار کرتے جا رہے تھے کہ آپ کو زخمی کر دیا گیا۔ اس کے بعد بیٹوں سے کہا، مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے والے کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا، اگر میں زندہ رہا تو میں خود فیصلہ کروں گا، قصاص لینا ہے،

❶ تاریخ طبری: 150/5، اسد الغابہ: 124/4. ❷ العلویہ، محمد عبد المطلب.

یا معاف کرنا ہے، اگر میں جام شہادت نوش کر جاؤں تو اس کی گردن اڑا کر میرے پاس بھیج دینا، میں رب کائنات کے پاس اس کے خلاف مقدمہ لڑوں گا، اس کے علاوہ کسی اور کو قتل نہ کرنا، کیونکہ یہ زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ❶

مدینہ کے سب سے بڑے قاضی:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سے فیصلہ کرنے کے سب سے زیادہ ماہر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں عام طور پر یہ کہا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ کے باسیوں میں سب سے زیادہ قوتِ فیصلہ کے مالک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

دونوں جانب سن کر فیصلہ کرنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن کی جانب قاضی مقرر کرتے ہوئے، بھیجا تو جانے سے پہلے میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! نوخیز اور نوعمر ہوں، آپ میرا بطور قاضی تقرر فرما کر یمن بھیج رہے ہیں، میں فن قضاء میں مہارت بھی نہیں رکھتا، باقی آپ کے حکم کے سامنے سرتابی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی راہنمائی کرے'' اور تمہاری زبان پر صداقت کی حکمرانی ثابت رکھے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدالت کا اہم گر بیان فرمایا، مقدمہ لڑنے والے تمہارے سامنے حاضر ہوں تو جب تک ایک دوسرے کی مکمل بات نہ سن لو ہرگز فیصلہ نہ کرنا، اس سے فیصلہ کرنے کی صحیح صورت نمایاں ہو جاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں، اس دعا کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ میں جب تک بطور قاضی رہا، مجھے کسی فیصلہ میں کبھی شک نہیں گزرا، یقین سے تمام فیصلہ جات کرتا رہا۔ ❷

فاروق اعظم نے کہا، جہاں علی نہ ہوں میں رہنا پسند نہیں کرتا:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب جیسے ملہم من اللہ ولی کامل، اور ماہر نباضِ امت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی سوال کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اس کا جواب دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متاثر ہو کر کہا، اے ابوالحسن، جن لوگوں میں آپ

❶ ترطیب الافواہ : 148/1 .

❷ فضائل صحابہ للأحمد : 699/2 .

نہ ہوں، میں وہاں رہنا پسند نہیں کروں گا مجھے اللہ کی پناہ۔ [1]

کنوئیں میں گرنے والوں کا مسئلہ حل کیا:

امام احمد نے مناقب میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں، مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب بھیجا تو ایک واقعہ پیش آیا، کہ ایک گڑھا کھودا گیا، کہ اس میں شیر شکار کریں گے، ہوا یوں کہ اس میں چار آدمی گر پڑے، پہلے ایک گرا، وہ دوسرے کے ساتھ چمٹ گیا، وہ تیسرے کے ساتھ اور تیسرا چوتھے کے ساتھ چمٹ گیا، اسی طرح چاروں گڑھے میں گر پڑے جبکہ نیچے شیر تھا، اس نے انہیں زخمی کر دیا، اور زخموں کی تاب نہ لا کر وہ مر گئے۔ اب ان کے ورثاء نے آپس میں تنازع کھڑا کر دیا، وہ تو لڑنے مرنے تک پہنچ گئے۔ یہ مقدمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا، تو انہوں نے فرمایا: میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اگر تم تمام فریق رضا مند ہو، تو ٹھیک ہے، اگر نہیں تو قطعاً ایک دوسرے کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے میں تمہیں روکتا ہوں، اس کے بعد تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور جو آپ فیصلہ فرمائیں اس کی تعمیل کرو، اس لیے اس وقت تک کسی قسم کی تو تکار نہ کرنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان قبائل کو جمع کیا، جنہوں نے کنوا کھودا تھا، اور فیصلہ کیا، دیت کا چوتھا حصہ، تیسرا حصہ، نصف حصہ، اور مکمل دیت (سو اونٹ) اکٹھی کریں، جو پہلا گڑھے میں گرا، اسے دیت کا چوتھا حصہ دیا جائے کیونکہ یہ اوپر والوں کی ہلاکت کا باعث بنا ہے، اور جو اس کے بعد گرا، اسے دیت کا تیسرا حصہ دیا جائے، کیونکہ یہ اپنے سے اور اوپر والوں کی ہلاکت کا باعث بنا ہے، تیسرے گرنے والے کو نصف دیت دی جائے، کیونکہ یہ اپنے سے اوپر والے کی موت کا باعث بنا ہے اور آخر میں جو چوتھا گرا، اسے پوری دیت دی جائے، کیونکہ وہ کسی کی ہلاکت کا باعث نہیں بنا۔

یہ فیصلہ سن کر وہ لوگ اس پر رضا مند نہ ہوئے، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپ مقامِ ابراہیم کے پاس تشریف فرما تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، اس وقت آپ گھٹنوں پر چادر لیے جلوہ گر تھے، آپ نے فرمایا: میں ابھی فیصلہ کرتا ہوں، ابھی آپ نے یہ کہا ہی تھا کہ ایک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ والا فیصلہ آپ کے گوش گزار کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ دینے کی بجائے اسی فیصلہ کو درست قرار

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ: 166/3.

دیا۔ [1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قوت فیصلہ سے نواز رکھا تھا۔

حیدر کرار کا جود وسخا:

ابوجعفر بیان کرتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جب خلیفہ مقرر ہوئے تو ان کا غلہ ایک لاکھ صاع تھا اور جس دن آپ نے وفات پائی ستر ہزار درہم قرض ان کے ذمہ تھا۔ کسی نے کہا، اتنا زیادہ قرض کیوں تھا، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ آپ کی جان پہچان والے اور رشتہ دار آتے تو آپ انہیں عطیات سے نوازتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جگہ پر خلیفہ ہوئے، تو انہوں نے ان کا مال فروخت کیا اور تمام قرض چکا دیا، اس کے علاوہ سالانہ پچاس غلام بھی والد محترم کی جانب سے آزاد کرتے تھے، جب یہ اللہ کو پیارے ہوگئے، تو ان کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ باپ کی جانب سے پچاس غلام آزاد کیا کرتے تھے، جب حضرت حسین شہید ہوگئے، تو پھر یہ سلسلہ رک گیا۔ [2] مشہور مقولہ ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خواہشات کا لباس اتار پھینکا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے چاک چاک کر دیا تھا۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مطلقہ (طلاق شدہ) دنیا کا جہیز پھینک ڈالا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی پیروی کی انہوں نے اس کی ایک انگوٹھی تک کو بھی پھینک دیا۔

حَبَّبَ الْفَقْرَ اِلَیْهِ اَنَّهُ
سُؤْدُدٌ وَهُوَ بِذَاكَ الْفَقْرِ یَغْنَیْ

”فقر و فاقہ انہیں بہت مرغوب تھا گویا کہ اسی میں سرداری تھی، اور وہ اسی فقر میں ہی غنا سے مالا مال تھے۔“

وَشَرِیْفُ الْقَوْمِ مَنْ بَقّٰی لَهُمْ
شَرَفَ الذِّكْرِ وَخَلَّی الْمَالَ یَغْنٰی

”لوگوں میں سے شرافت کا پیکر وہ ہے، جو ان کے شرف کی یادگار کو قائم رکھے، اور شرف کی حفاظت میں
سارا مال لٹا دے۔“

مَا اطْمَاَنَّ الْوَفْرُ فِیْ بُحْبُوْحَةٍ
فَرَاَیْتُ الْمَجْدَ فِیْهَا مُطْمَئِنًّا

[1] الریاض النضرۃ، فی مناقب العشرہ: 169/3.

[2] مکارم الاخلاق: 106.

''اس گھر کے آنگن میں دولت کی کثرت نہیں ہوتی جس میں بزرگی کا بسیرا ہو، یعنی بزرگی برقرار رکھنے کے لیے دولت صرف کرنا پڑتی ہے۔''

تُهْـدَمُ الْاَمْـوَالُ مِـنْ اَسَـاسِهَـا
اَبَـدًا مَّـا دَامَـتِ الْـعُـلْيَـاءُ تُبْـنٰـى

''بلندیوں کے محل کی تعمیر کے لیے ہمیشہ مال و دولت کی بنیادوں کو ہلانا پڑتا ہے، تب وہ پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔'' ❶

حیدر کرار کا اندازِ شکر دانی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بیت الخلاء سے فارغ ہو کر باہر آتے تو اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہتے، اس اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر بے شمار انعامات ہیں، کاش! کہ بندوں کو اس کے شکر کے ادا کرنے کا طریقہ آ جائے۔ ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمدان والوں میں سے ایک آدمی سے کہا، نعمت وابستہ ہے، شکر کے ساتھ اور شکر کا لازمی نتیجہ ہے کہ یہ نعمت میں اضافہ کرتا ہے، یہ دونوں شکر اور نعمت ایک لڑی میں منسلک ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ قطعاً ختم نہیں ہوتا، یہ تب ختم ہوتا ہے، جب بندہ شکر کرنا چھوڑ دے۔ ❸

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی تواضع:

عمرو بن قیس بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تہبند پہنا تھا، جس پر پیوند لگے تھے، اس پہناوے پر ان پر اعتراض ہوا تو انہوں نے کہا، اس طرح سادگی سے مؤمن دوسروں کے لیے مقتدا اور پیشوا بنتا، اور دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے۔ ❹

حیدر کرار کا زہد و ورع:

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے سامنے دنیا جس قدر ناکامی کے آنسو بہاتی نظر آتی ہے، اسی قدر آخرت ان پر فریفتہ اور مسکراتی دکھائی دیتی ہے۔ کھردرا لباس اور نہایت ہی سادہ خوراک انہیں پسند تھی۔

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے اقوالِ زریں:

درج ذیل میں ہم حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے اقوال زریں کا معطر گلدستہ پیش کرتے ہیں، جو دل کی تختی پر آب زر

❶ التبصره : 258/2.
❷ عدة الصابرين : 122 .
❸ الشكر ، ابن ابی دنیان
❹ طبقات ابن سعد .

سے لکھنے کے قابل ہیں۔

لوگوں کی اقسام:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: لوگ تین طرح پر ہیں:

1. عالم ربانی
2. راہِ نجات کا طالبِ علم
3. عوام جو ہر ایک چلّانے والے کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔

چراغ علم سے روشنی حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی قابلِ اعتماد سہارا لیتے ہیں۔

علم، مال سے بہتر ہے:

علم، مال سے بہتر ہے، کیونکہ علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے، جب کہ مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے، علم عمل پر پاکیزگی کا نکھار پیدا کرتا ہے، اور مال خرچ ہونے سے کم ہو جاتا ہے، عالم سے محبت کرنا ایک دین ہے، جس کا صلہ اچھا ملتا ہے۔

علم، ذکرِ جمیل باقی رکھتا ہے:

علم، عالم کو زندگی میں مطاع کا طریقہ بتاتا، اور موت کے بعد ذکرِ جمیل جاری رکھتا ہے۔ جب کہ مال کی جاگیر اس کے زوال کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ مالدار زندہ بھی ہوں تو مردہ ہیں، جب کہ علماء تا زیست زندہ ہیں، علماء کا وجود باقی نہیں، لیکن دلوں سے ان کے نقش و نگار نہیں مٹتے۔

پانچ نایاب چیزیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، مجھ سے پانچ چیزیں ازبر کر لو، وہ ایسی نایاب ہیں کہ اگر تم ان کی طلب میں اونٹ ہلکان کر دو، تب بھی انہیں پا نہ سکو گے۔

1. بندہ صرف اپنے رب سے امید رکھے۔
2. اور اپنے گناہ سے خوفزدہ رہے۔
3. آدمی کو جس چیز کا علم نہیں اس کے پوچھنے سے حیا نہ کرے۔
4. اور عالم سے جب سوال ہو اس کا جواب نہ آتا ہو، اس وقت یہ کہنے میں کہ میں نہیں جانتا، شرم محسوس نہ کرے۔
5. صبر، ایمان کا اہم حصہ ہے، یہ ایمان میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو بدن میں سر کو حاصل ہے، اس کا ایمان نہیں جو صبر نہیں کرتا۔

6 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے تم سب سے زیادہ خوف، خواہشات کی اتباع کرنے، اور لمبی آرزو کرنے کا ہے، خبردار! خواہش پرستی حق قبول کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور لمبی آرزو آخرت بھلا دیتی ہے۔ [1]

علم والوں کے تذکرے آسمانوں پر:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا علم کے سرچشمے، حکمت کی کانیں، اور رات کے ستارے بن جاؤ، لباس بوسیدہ اور دل نئے کرلو، تو آسمان والوں کے ہاں معروف ہوجاؤ گے اور اہل زمین کے ہاں تم گمنام رہو گے، لیکن تمہارے رب کے ہاں تمہارے تذکرے ہوں گے۔

کامل فقیہہ:

فرمایا: خبردار! کامل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو رحمتِ الٰہی سے ناامید نہ ہونے دے، نہ ہی عذابِ الٰہی سے بے خوف ہونے دے، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں رخصت دے، اور نہ ہی کم فکری سے قرآن کو چھوڑے، جو علمِ دین کے بغیر عبادت ہو، اس میں خیر نہیں، اور بغیر فہم کے علم خیر والا نہیں اور قرآنِ مجید کی اس تلاوت میں خیر نہیں جو غور و تدبر سے خالی ہو۔

خیر کس میں ہے:

مال و اولاد کی کثرت میں خیر نہیں ہوتی، خیر اس میں ہے کہ تیرا علم زیادہ ہو، تیرا حلم بڑا ہو، اور تو لوگوں سے رب کی عبادت میں مقابلہ کرے، اگر کوئی اچھائی ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، اور اگر کوئی برائی ہو جائے تو استغفار کرے۔

دنیا کی خیر والے:

دنیا میں خیر صرف دو آدمیوں کے لیے ہے:

1 ایک وہ جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے لیکن توبہ کے ذریعہ اس کا تدارک کرتا ہے۔

2 وہ آدمی جو نیکی کے حصول میں جلدی کرتا ہے اور درجات پانے کے لیے عمل کرتا ہے۔

حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی ایک اثر انگیز نصیحت کا بیان:

جعفر بن محمد اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک جنازہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے، جب میت لحد میں اتار دی گئی، تو اس کے اعزہ و اقارب آہ و بکا کرنے لگے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، کیوں روتے ہو!؟ واللہ! جو میت دیکھ رہی ہے، اگر تم اس کا مشاہدہ کرو تو تمہارے ہوش اڑ جائیں۔

[1] صفة الصفوة: 130/1.

یاد رکھو! ہر ایک کے پاس ملک الموت (موت کا فرشتہ) آنے والا ہے، وہ کسی کو نہ چھوڑے گا، پھر کھڑے ہو کر گفتگو کا آغاز کیا۔

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اس اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، جس نے تمہاری نصیحت کے لیے مثالیں بیان کی ہیں اور تمہاری موت کا وقت مقرر کیا ہے اور اہم چیزوں کے سننے کے لیے کان بنائے اور آنکھیں عطا کی ہیں کہ پسِ پردہ چیزیں روشن ہو جائیں اور دل پیدا کیے کہ ہولناکیوں کی دہشت سے آگاہ ہو سکو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے کار پیدا نہیں کیا، بلکہ وہ مسلسل یاددہانی کراتا ہے، اس نے تم پر نعمتوں کے سائبان تن دیئے ہیں اور جزاء کے دن کو تمہارے لیے گھات لگانے والا بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اے اللہ کے بندو! مطلوب کی کامیابی کے لیے کوشش کرو، لذت شکن موت کے حملہ سے پہلے پہلے عمل کرو، دنیا آخرت کے انعامات کے سامنے حائل ہے اور ایسا سرنگوں سہارا ہے، جو گرنے کی طرف مائل ہے، اللہ کے بندو! عبرت آموز باتوں سے وعظ و نصیحت اختیار کرو اور ڈرانے والوں کی ڈانٹ سے اثر قبول کرو، مواعظ سے فائدہ اٹھاؤ، تصور کرو کہ موت کے پنجے میں تم جکڑے گئے ہو اور مٹی کے گھروندے قبر میں تم رکھے گئے ہو اور نقارۂ قیامت سے جو دہلا دینے والے امور پیش آنے والے ہیں وہ چھا چکے ہیں اور قبروں نے اپنی امانتیں دھرتی کے سپرد کر دی ہیں۔

آہ! تصور کرو، یقین کرو! ابھی ابھی تمہیں میدان محشر کی جانب ہانکا جا رہا ہے اور حساب کے مقام پر کھڑے ہو، اب تم اس قادرِ مطلق جبار کے گھیرے میں ہو اور ہر جان کو ہانکنے والا روزِ محشر کی طرف ہانک رہا ہے اور گواہی دینے والا اپنی گواہی کا بھگتان کر رہا ہے، اور یہ منظر سامنے ہے۔

﴿وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝۶۹﴾ (الزمر: 69)

”زمین اپنے رب کے نور کے ساتھ چمک اٹھے گی اور اعمال نامے رکھے جائیں گے، انبیاء اور شہداء کو بلایا جائے گا، اور ان کے درمیان حق کا فیصلہ کیا جائے گا اور یہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔“

اس دن شہروں کی آبادیاں لرز جائیں گی اور منادی پکارے گا، درندوں کا حشر ہوگا، سر بستہ راز کھل جائیں گے، دل ہوا ہو جائیں گے اور دوزخ نمایاں ہوگی، اس کی آگ شعلہ زن اور پانی کھولتا ہوگا۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو! جس طرح موت سے ڈرتے ہو، اس طرح احتیاط کرو، دیکھو اور سرکشی سے باز آجاؤ، تیز رفتاری کے

ساتھ اس سے نجات پانے کے لیے بھاگو، آخرت کے لیے کچھ آگے بھیجو، اور زادِ آخرت اور آخرت کا وسیع میدان طے کرنے کے لیےسواری تیار کرو، اللہ تعالیٰ مجرموں سے انتقام لینے والا اور نیکوں کی مدد کرنے والا ہے، عمل نامہ ہی مدمقابل ہوتو فریق مقدمہ بننے کے لیے یہی کافی ہے، جنت کا ثواب اور دوزخ کا وبال وعقاب کافی ہے، ان کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تمہیں بھی معاف کردے۔ ❶

حیدر کرار اور اتباع سنت کا جذبہ فروزاں:

مروان بن حکم بیان کرتے ہیں: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں بزرگ تشریف فرما تھے جبکہ میں بھی وہاں پر حاضر تھا، حج تمتع کے متعلق میں ان کے درمیان بات ہو رہی تھی، کہ عمرہ کے ساتھ حج کا فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ یا کہ نہیں، پہلے آدمی عمرہ کر لے اور احرام کھول دے اور حج کے دنوں میں پھر حج کا احرام باندھ کر اس کے ارکان پورے کرے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج تمتع سے منع کرتے تھے، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی اجازت کے قائل تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عمرہ و حج کو اکٹھا کرنے سے روکتے ہیں، تو انہوں نے حج و عمرہ کا احرام باندھ لیا، اور تلبیہ کہہ دیا میں حج وعمرہ کے ساتھ حاضر ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا، علی! میں اس سے لوگوں کو روکتا ہوں اور تم حج وعمرہ کر رہے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں کسی بھی انسان کے کہنے پر وہ طریقہ نہیں چھوڑ سکتا، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا ہے۔ ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، اگر دین صرف رائے سے ہوتا تو پھر عقل ورائے کا تقاضا ہے کہ موزوں کے نیچے مسح کرنا اوپر کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہوتا، لیکن میں نے دیکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے ظاہر پر مسح کیا ہے۔ ❸

اتباع کا حق ادا کر دیا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حق یہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ادا کیا ہے، یہ اتباع کوئی معمولی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ جو آپ کے جادۂ حق سے برگشتہ ہوگا اس کا انجام بیان ہوا ہے:

---

❶ صفة الصفوة : 132/1 .   ❷ صحیح بخاری ، کتاب الحج .

❸ سنن الکبریٰ للبیهقی ، کتاب المسح علی الخفین .

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾

(النور: 63)

''جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہیے کہ انہیں کوئی فتنہ نہ پہنچے، یا وہ دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔''

بلکہ اللہ تعالیٰ نے پوری امت کو اتباعِ رسول کریم کی ترغیب دلائی ہے، فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴾

(الاحزاب: 21)

''تمہارے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ میں بہترین اسوہ ہے، یہ اس کے لیے ہے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ نے جو اوصاف بیان کیے وہ لازم کرتے ہیں کہ ہم آپ کی اتباع کریں، فرمایا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ (التوبہ: 128)

''تحقیق تمہارے پاس تمہاری جانوں میں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالے وہ ان پر گراں گزرتی ہے اور وہ تم پر فکر مند ہیں، اور ایمانداروں کے ساتھ شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جذبۂ اطاعت انہی آیات کے چراغوں سے اخذ کردہ ہے۔

حیدر کرار کا دعوت الی اللہ میں کردار:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کی جانب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ انہیں دعوت اسلام دیں۔

براء کہتے ہیں: جو لوگ ان کے ساتھ گئے تھے، میں بھی ان میں شامل تھا، ہم وہاں چھ ماہ تک ٹھہرے اور انہیں دعوتِ اسلام پیش کرتے رہے، مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ تم جاؤ اور سیدنا خالد کو واپس بھیج دینا، دیگر میں سے اگر کوئی خالد کے ساتھ آنا چاہے تو اسے آنے کی اجازت دینا، اور اگر کوئی تمہارے ساتھ وہاں رہنا چاہیے تو رہ سکتا ہے۔

حضرت براء کہتے ہیں، میں بھی انہی میں شامل تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے تھے، اب کی بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہم لڑنے کے لیے نکلے اور جب ہم ان کے قریب ہوئے تو وہ ہمارے مقابلہ کے لیے باہر آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ہمیں نماز پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد ایک ہی ہماری صف بنائی، پھر ہمارے آگے ہوئے اور یمن والوں کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا، تو اہلیانِ ہمدان تمام مسلمان ہوگئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع تحریراً بھیجی، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بشارت نامہ پڑھا تو سجدہ ریز ہوگئے، پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور آپ پکار پکار کر کہہ رہے تھے، ہمدان قبیلہ پر سلامتی ہو، ہمدان قبیلہ پر سلامتی ہو۔ [1]

خارجیوں کے خلاف تاریخی جنگ:

خارجیوں سے جنگ کے بارے میں حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی خوشخبری بیان کی کر رکھی تھی جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں، اچانک آپ اپنی ایک اہلیہ کے گھر سے باہر تشریف لائے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوگئے اور چلنا شروع کر دیا، اچانک آپ کا جوتا مبارک ٹوٹ گیا، آپ تو چلتے رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے گانٹھنے پر پیچھے چھوڑا، ہم بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتظار میں ٹھہر گئے، ہم بھی رک گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے تم میں سے جو اس قرآن کی حفاظت کی خاطر لڑے، جس طرح کہ میں نے اس کے اترنے پر اس کی حفاظت کے لیے معرکہ آرائی کی ہے، ہمارے اندر اس وقت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، ہم نے نظریں اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا، لیکن آپ نے فرمایا: کوئی نہیں، یہ کام جوتا گانٹھنے والے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سرانجام دیں گے۔ ہم یہ مسرت افزا بشارت سنانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ کہنے لگے، تمہارا شکریہ مگر میں نے یہ خوشخبری سن لی ہے۔ [2]

یہی حیدرِ کرار ہی تھے، جو خارجیوں کے خلاف لڑے اور ان کے ہاتھوں ہی شہید ہوئے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ان پر صادق آیا، کہ مبارک ہے جو خارجیوں کو قتل کرے یا خارجی اسے شہید کر دیں۔ [3]

اور خارجیوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں خارجیوں کو پاؤں تو میں انہیں ثمود قوم کی مانند قتل و

---

[1] البدایہ والنہایہ: 105/5 .
[2] مسند احمد : 82/3 .
[3] السنۃ ابن ابی عاصم .

غارت سے نیست و نابود کر دوں گا۔ ❶

اور فرمایا: خارجی دوزخ کے کتے ہیں۔ ❷

اور ایک حدیث میں یہاں تک آپ ﷺ نے فرمایا: جس لشکر کو ان کے ہاتھوں شہادت یا مصیبت پہنچے اس کے لیے نبی ﷺ کی زبان مبارک نے کتنا اجر بیان کیا ہے، اگر لوگوں کو اس کا علم ہو جائے تو یہ دوسرے عمل ہی چھوڑ دیں، اسی اجر کو نجات کے لیے کافی سمجھیں۔ ❸

آپ ﷺ نے فرمایا: ''خارجیوں کو قتل کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔'' ❹

یہی خارجی جن کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان میں اترے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جب خارجیوں نے بغاوت کی تو ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی، اور یہ سب قرآن پاک کے ماہر قراء تھے، یہ تمام حروراء مقام پر اترے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مناظرہ کیا، تو چار ہزار نے توبہ کر لی، ان میں سے عبداللہ بن کواء بھی تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باقی ماندہ خارجیوں کو بھی پیغام بھیجا کہ تم بھی رجوع کر لو، مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر پیغام بھیجا، تم جہاں چاہو رہو، لیکن ہمارے اور تمہارے درمیان یہ معاہدہ ہے کہ ناحق خونریزی نہ کرنا، رہزنی نہ کرنا، کسی پر ظلم و ستم نہ کرنا، اگر تم نے اس میں سے کسی شق کی بھی خلاف ورزی کی تو پھر یہ معاہدہ ختم اور تم سے جنگ ہوگی۔ لیکن وہ باز نہ آئے انہوں نے رہزنی کی، ناحق خونِ بہایا، حضرت عبداللہ بن خباب بن ارت کو قتل اور ان کی اہلیہ کا پیٹ چاک کیا۔ ❺

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے قتل عام کرنے کا عزم کیا۔ سلمہ بن کہیل کہتے ہیں: زید بن وھب جہنی نے بیان کیا کہ میں بھی اس لشکر میں شامل تھا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خارجیوں کی سرکوبی کے لیے گیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگو! میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا آپ فرماتے ہیں، میری امت میں سے ایسے لوگ نمودار ہوں گے جو قرآن پاک پڑھیں گے اور ان کے مقابلہ میں تمہاری تلاوت ہیچ ہوگی، اور تمہاری نماز ان کی نماز کے سامنے کم تر نظر آئے گی اور تمہارے روزے ان کے مقابلہ میں بے حیثیت دکھائی دیں گے، وہ

---

❶ صحیح بخاری.
❷ صحیح الجامع الصغیر البانی.
❸ نسائی فی خصائص.
❹ سنن ابن ماجه.
❺ صلاح الامة: 92/5.

قرآن پاک کی تلاوت کریں گے، ان کا خیال ہوگا، یہ تمام نیکیاں ہمارے لیے مفید اور باعث اجر ہیں، لیکن ان کی قرأت گلے سے نیچے تجاوز نہ کرے گی، اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح شکار سے تیر بغیر کسی آمیزش کے صاف گزر جاتا ہے، ان خارجیوں کی علامت یہ ہوگی کہ ان میں ایک آدمی کا مکمل ہاتھ نہ ہوگا، اس کے سرے پر ایسا گوشت حرکت کر رہا ہوگا، جس طرح عورت کے پستان پر ڈنڈی اور اس پر سفید بال ہوں گے۔

ان کے خلاف لڑائی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! تم حضرت معاویہ اور شام والوں کی جانب پیش قدمی چاہتے ہو، اور ان فسادیوں کو اپنی اولاد اور اپنے مالوں میں تباہی پھیلانے کے لیے پیچھے چھوڑتے ہو، نہیں، ہم ان شام والوں کے خلاف بعد میں دیکھیں گے، پہلے ان لوگوں سے نمٹ لیں، واللہ! یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے ناحق خون بہایا اور لوگوں پر غارت گری مچائی۔ اب دیر مت کرو، اللہ کا نام لو اور روانہ ہو جاؤ۔

خارجیوں کا سربراہ اس وقت عبداللہ بن وہب راسبی تھا، ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود قیادت فرما رہے تھے، ایک پل سے گزر کر جب خارجیوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے پہلے ان کا تجربہ ہو چکا تھا کہ یہ دھوکہ دہی کے لیے واسطہ ڈالیں گے، اس سے بچاؤ کے لیے پہلے ہی کہہ دیا، میرے ساتھیو! نیزے نکال لو، تیر کمان پر چڑھا لو اور تلواریں میانوں سے نکال لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے تیروں، تلواروں اور نیزوں سے خارجیوں کو چھلنی کر دیا، اور وحشت پھیلا دی، ان کے کشتوں کے پشتے لگ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، جس آدمی کا حلیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تھا، اسے تلاش کرو، انہوں نے بہت تلاش کیا، مگر وہ پا نہ سکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود کھڑے ہوئے اور مقتولوں میں سے اس کی جستجو کرنے لگ گئے، ایک دوسرے کے اوپر مقتول پڑے ہوئے تھے، ایک ڈھیر سے نیچے زمین پر وہ مطلوب حلیہ والا آدمی مل گیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور کہا، اللہ تعالیٰ نے سچ کہا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی پہنچایا ہے۔'' [1]

سفرِ آخرت کی تیاری:

حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی شہادت کا جام نوش کرنے کا مژدۂ جانفزا سنایا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بشارت کو کبھی دل سے اترنے نہ دیا تھا، انہیں یقین کامل تھا، خواہ میری عمر کتنی ہی دراز ہو جائے، میں شہادت سے ضرور ہمکنار ہوں گا۔ زید بن وہب کہتے ہیں کہ اہل بصرہ میں سے ایک خارجی جس کا نام جعد بن بعجہ تھا، وہ

[1] صحیح مسلم: 748، سنن ابو داؤد: 4768.

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا ور مخاطب ہو کر کہتا ہے:

((اِتَّقِ اللهَ يَا عَلِيُّ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ))

''اے علی! اللہ سے ڈرو، آخر تم کو موت آنے والی ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا، عام موت نہیں، بلکہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہوگی، میرے سر کے کنارے پر تلوار کاری زخم لگائے گی اور میرا سر اور داڑھی خون سے رنگین ہوں گے، یہ مجھ سے پختہ عہد ہوا ہے اور یہ قضا وقدر کا فیصلہ ہے، جو جھوٹ باندھے وہ ناکام ہوتا ہے، اس لیے میں سچ سچ کہہ رہا ہوں۔

قضا وقدر پر یقین:

ابومجلز بیان کرتے ہیں کہ مراد قبیلہ کا ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جبکہ آپ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، فارغ ہوئے تو کہنے لگا، آپ پہرہ دار مقرر فرمائیں، کیونکہ مراد قبیلہ کے کچھ آدمی آپ کے قتل کا منصوبہ بنا چکے ہیں، اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ''ہر آدمی کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں، جو اس کے محافظ ہیں، لیکن یہ اس وقت تک ہیں، جب تک اس کے مقدر میں زندگی ہے، جب قضا وقدر کے فیصلے پورے ہوتے ہیں، تو وہ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اجل خود ایک مضبوط ڈھال ہے۔[1]

اصبغ حنظلی بیان کرتے ہیں کہ جس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے، طلوعِ فجر کے قریب ابن نباح آیا اور نماز کے وقت کی اطلاع دی آپ کی طبیعت بوجھل سی تھی اور لیٹے ہوئے تھے، وہ دوبارہ آیا آپ اسی طرح رہے، پھر وہ سہ بار آیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور چلنا شروع کر دیا اور کہہ رہے تھے:

أُشْدُدْ حَيَازِيمَكَ لِلْمَوْتِ فَإِنَّ الْمَوْتَ لَاقِيكَا

''موت کا سامان باندھ لو، موت سے ضرور ملاقات ہونے والی ہے۔''

وَلَا تَجْزَعْ مِنَ الْمَوْتِ إِذَا حَلَّ بِوَادِيكَا

''اور موت جب تمہاری وادی میں اتر پڑے تو پھر اس سے بے صبری کا مظاہرہ مت کرو۔''

شہادت کی تفصیل:

حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تفصیلی واقعہ یوں ہے کہ خارجیوں کے تین آدمی باہم جمع ہوئے:

1. عبدالرحمٰن بن ملجم
2. برک بن عبداللہ
3. عمرو بن بکر تمیمی

[1] صفة الصفوة: 134/1.

یہ تینوں اپنے مقتول خارجیوں کو یاد کرتے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سمیت دیگر امراء کے خلاف تنقید کرتے، اپنے مقتولوں پر ترس کھاتے رہے اور یہاں تک جوش میں آ کر کہنے لگے، ان کے قتل کے بعد اب ہم نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے، ان کے بقول ہمارے مقتول لوگوں کو رب کی عبادت کی دعوت دیتے تھے، وہ کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے تھے، اس لیے اگرچہ ہمیں جانوں کا نذرانہ بھی دینا پڑے، ہمیں گمراہی کے پیشواؤں کو تلاش کر کے قتل کرنا چاہیے، تاکہ ہم شہروں کو بھی ان کی زیادتیوں سے آرام دلاسکیں اور اپنے مقتول بھائیوں کا بدلہ بھی لیں، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ملجم بولا: میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا کام تمام کرنے کا ذمہ اٹھاتا ہوں، برک نے کہا، میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا بیڑا اٹھاتا ہوں، عمرو بن بکر نے کہا، میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خاتمہ کا وعدہ کرتا ہوں۔

اس معاہدہ پر توثیق کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھائیں کہ ہم میں سے کوئی آدمی پچھلے پاؤں نہیں پلٹے گا، بلکہ اپنے ذمہ لیے کو قتل کر کے چھوڑے گا، انہوں نے 40 ہجری اور رمضان کی پندرہ تاریخ کا منحوس منصوبہ کے لیے دن متعین کر رکھا تھا کہ اس دن سب نے اپنے اپنے ہدف پر حملہ آور ہونا ہے، انہوں نے اپنی تلواروں کو زہر آلود کر لیا اور اپنے اپنے ہدف کے علاقہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم کندہ والوں میں شمار ہوتا تھا، یہ کوفہ میں آیا، حالانکہ کوفہ میں اس کے دیگر بھائی بند بھی موجود تھے، لیکن اس نے انہیں خبر تک نہ دی کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔

کوفہ میں تیم رباب قبیلہ کے دس افراد موجود تھے جبکہ ان میں ایک عورت تھی، جس کا نام قطام بنت شجنہ تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ اور بھائی کو قتل کیا تھا، یہ عورت حسن و جمال کا پیکر تھی، عبدالرحمٰن نے جب اسے دیکھا تو اسے اپنا مشن بھول گیا، اس میں مگن ہو گیا، اسے پیغام نکاح بھیجا، اس نے کہا، میں اس وقت تک تجھ سے نکاح نہیں کروں گی، جب تک تو مجھے راحت نہیں پہنچاتا، اس نے کہا، تیرے لیے سامانِ راحت کیا ہے؟ اس نے کہا، تین ہزار درہم، ایک غلام اور ایک گانے والی لونڈی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قتل، یہ میرا حق مہر ہے، اس نے کہا دوسری اشیا تو حق مہر ہوا، حضرت علی کا قتل درمیان میں رکھ کر تو مجھے مروانا چاہتی ہے، اس قطام نے کہا: نہیں میں ہر پریشانی صاف کرنا چاہتی ہوں، کیونکہ اگر تو انہیں قتل کر دیتا ہے، تو مجھے بھی اور تجھے بھی تشفی ہوگی، پھر تو میرے ساتھ بلا خطر خوش کن زندگی کی دادِ عیش دے گا اور اگر تو قتل ہوگا، تو تیرے لیے اس کارِ خیر کے عوض وہ ثواب اور بدلہ ہے، جو ہمیشہ رہنے والا اور پائیدار زیبائش ہے۔ قطام کے سامنے عبدالرحمٰن نے اظہار کر

دیا کہ میں کوفہ میں آیا ہی اسی مشن پر ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کروں، یہ سن کر قطام نے اپنی قوم میں سے اسے معاون دیئے۔

40 ہجری جمعہ کی شب پندرہ رمضان کی تاریخ ہوئی تو یہ بد بخت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے گھات میں بیٹھ گیا، جونہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کے لیے باہر تشریف لائے، ابن ملجم نے آپ کے سر مبارک کے کنارے پر تلوار کا وار کیا اور ساتھ پکارنے لگا، اے علی! حکم وحکومت صرف اللہ کے لیے ہے، نہ تیرا اور نہ تیرے ساتھیوں کا حق ہے، جو لوگ نماز کے لیے مسجد میں جمع تھے، وہ گھبرا گئے۔ [1]

زہر آلود تلوار کنپٹی میں پیوست ہوئی پھر زخم بھی گھائل تھا اثر کر دیا۔ آہ! بہادروں کی عظمت صرف ان کی حیات فانی تک ہی نہیں ہوتی، بلکہ وہ حیات جاودانی کی جانب بھی سدھارتے ہوئے اپنی عظمتوں کے نقوش اجاگر کرتے ہیں، آپ کو گھر لے جایا گیا، ایسے تکلیف دہ لحظوں اور لمحوں میں بھی اپنے اٹھانے والوں اور گرد جمع ہو کر آنے والوں سے کہا: ''نمازِ فجر ادا کرو کہیں فوت نہ ہو جائے، کیونکہ یہ بطلِ عظیم نماز فجر کی ادائیگی کے لیے ہی مسجد کی جانب جا رہا تھا، کہ یہ بد بخت حملہ آور رکاوٹ بن گیا، نمازی فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ان میں سے بعض نے آپ کے قاتل عبدالرحمن بن ملجم کو پکڑا ہوا تھا، سامنے پیش کیا، آنکھیں کھولیں، قاتل کو دیکھا اسے پہچان گئے، کہتے ہیں، کیا تو قاتل ہے؟ میں نے تجھ پر بے شمار احسان کیے، کیا احسان کا یہی بدلہ ہے۔

اس کے بعد اسلام کا یہ عظیم سپوت اپنے بیٹوں اور اپنے جانثار ساتھیوں کے چہروں پر نگاہ دوڑاتا ہے، تو بھانپ جاتا ہے کہ ان کے سینہ سے غیظ وغضب کے لاوے پھوٹ رہے اور انتقام کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور محسوس کیا کہ موت کی برودت وٹھنڈک انگ انگ میں سرایت کر رہی ہے، اور ابن ملجم اپنی بدانجامی کے جال میں پھنسنے والا ہے، میرے بیٹے اور باوفا ساتھی اسے خوفناک انتقام کے پنجوں میں جکڑنے والے ہیں، تو بھی اس کمینہ صفت قاتل پر حدودِ الٰہی اور شرعی قصاص کے نفاذ کے سوا کسی قسم کی زیادتی نہیں چاہتے اور تجاوز کرنے سے روکنے پر اصرار کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اپنے لائق و فائق اور تابع فرماں فرزندوں کو آواز دیتے ہیں جبکہ موت کی تاریکی گہری ہوتی جا رہی ہے، منہ سے نکلنے والی بات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی اور بولنے میں دقت و دشواری آ رہی ہے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ انسانیت کی عظمت کی لوح پر قرآنِ پاک سے اخذ کردہ نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں، اپنے گھر والوں اور خصوصاً پیارے جگر گوشوں سے کہا۔

---

[1] الخلفاء الراشدون : 319.

اس قاتل کی مہمانی عمدہ طریقہ سے کرنا اور اچھا ٹھکانا دینا، اگر میں زندہ رہا تو میں خود ذمہ دار ہوں، قصاص لوں یا معاف کروں، یہ مجھے اختیار ہے اور اگر میں مرجاؤں تو اسے میرے پاس بھیج دینا قصاص میں قتل کر دینا، میں رب کائنات کی بارگاہ میں اس کے خلاف مقدمہ لڑوں گا، بس اسے ہی قتل کرنا جو میرا قاتل ہے اور کسی کو نہ مارنا، کیونکہ اس نے زیادتی کی ہے، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ [1]

علمائے تاریخ بیان کرتے ہیں، رمضان کی تیرہ راتیں ابھی باقی تھیں اور 40 ہجری تھی، ایک قول کے مطابق رمضان کی اکیسویں شب تھی، جب عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا، جمعہ اور ہفتہ کا دن آپ زندہ رہے اور بروز اتوار آپ کی شہادت ہوئی، آپ کو حضرت حسن و حضرت حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے غسل دیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سحری کے وقت اس پیکر مروت کو دفن کیا گیا۔ [2]

حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن نے قاتل کی گردن اڑا دی، اس کے بعد حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے یہ تاثرات بیان کیے۔

لوگو! کل تم سے ایسا آدمی جدا ہوا اور داغ مفارقت دے گیا ہے، جو پہلوں اور بعد والوں پر سبقت لے گیا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے فوجی دستہ میں علمبردار بنا کر بھیجا کرتے، تو اللہ کی مدد سے یہ فتح یاب ہو کر لوٹا کرتے تھے، جبریل ان کی دائیں اور میکائیل ان کی بائیں جانب چلا کرتے تھے، نہ تو کوئی چاندی چھوڑی نہ ہی سونا صرف سات سو درہم ان کی داد و دہش سے بچے ہیں، یہ بھی غلام خرید کر آزاد کرنے کے خواہاں تھے کہ وقت موعود آن پہنچا۔ [3]

رضی اللہ عنهم ورضوا عنه .

---

[1] خلفاء الرسول : 598 .
[2] صفة الصفوة : 135/1 .
[3] سلسلة الصحيحة : 2496 .

فصل: 1

صحیفہ کی روایات، نصوص اور تخریج

پیش لفظ

بیشتر کتب السنہ میں صحیفہ علی رضی اللہ عنہ کو روایت کیا گیا ہے، ہر مصنف نے اسے ایسے مصدر سے روایت کرنے کی کوشش کی ہے جس سے دوسرے مصنّفین نے روایت نہ کیا ہو، اسی لیے روایات کا تکرار ہے، لیکن ہم پوری کوشش کریں گے کہ تکرار کے بغیر صحیفے میں موجود ہر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کریں۔ اور جو صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں موجود ہے ہم اسی کی طرف منسوب کرنے پر اکتفا کریں گے؛ کیوں کہ وہ دونوں کتب السنہ میں سے صحیح ترین کتابیں ہیں۔ یہ بات معلوم ومعروف ہے۔



روایاتِ صحیفہ

[1]...... عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ غَيْرَ هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، قَالَ: فَأَخْرَجَهَا، فَإِذَا فِيهَا أَشْيَاءُ مِنَ الجِرَاحَاتِ وَأَسْنَانِ الإِبِلِ، قَالَ: وَفِيهَا: المَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لاَ يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ صَرْفٌ وَلاَ عَدْلٌ. وَمَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لاَ يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ صَرْفٌ وَلاَ عَدْلٌ. وَذِمَّةُ المُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لاَ يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ صَرْفٌ وَلاَ عَدْلٌ.

تخریج الحدیث صحيح بخارى: (10/8)(85) كتاب الفرائض ـ (21) باب إثم من تبرأ من مواليه ـ عن قتيبة بن سعيد عن جرير عن الأعمش به. واللفظ منه. و(221/2) (29) كتاب فضائل المدينة ـ (1) باب حرم المدينة ـ عن محمد بن بشار عن عبدالرحمٰن (بن مهدى) عن سفيان عن الأعمش به. وفيه "مابين عائر إلى كذا" و(67/4) (58) كتاب الجزية (10) باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة يسعى بها أدناهم ـ عن محمد بن وكيع عن الأعمش به. و(69/4) الكتاب نفسه (17) باب إثم من عاهد ثم غدر ـ عن محمد بن كثير عن سفيان (الثورى) عن الأعمش به. و(144/8) (96) كتاب الاعتصام ـ (5) باب مايكره من التعمق والتنازع فى العلم والعلو فى الدين ـ عن عمر بن حفص بن غياث، عن أبيه عن الأعمش به، صحيح مسلم: (994/2-999)(15) كتاب الحج ـ (85) باب فضل المدينة، ودعاء النبى ﷺ فيها بالبركة وبيان تحريمها وتحريم صيدها وشجرها، وبيان حدود حرمها ـ عن أبى بكر بن أبى شيبة وزهير بن حرب وأبى كريب جميعا عن أبى معاوية عن الأعمش به ـ وعن على بن حجر السعدى عن على

بن مسهر ، وعن أبي سعيد الأشج عن وكيع جميعا عن الأعمش به۔ وعن عبداللّٰه بن عمر القواريري ومحمد بن أبي بكر المقدمي ، هما عن عبدالرحمٰن ابن مهدي عن سفيان عن الأعمش به . وفي بعض هذه الطرق : ((ومن ادعى إلى غير أبيه ، أو انتمى إلى غير مواليه فعليه لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعين))) .

ترجمة الحديث علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس صحیفے کے علاوہ ہمارے پاس ایسی کوئی کتاب نہیں جسے ہم پڑھتے ہوں۔ انھوں (راوی) نے بیان: پس انھوں نے صحیفہ نکالا، تو اس میں ان زخموں کا ذکر تھا (جن پر دیت ادا کی جاتی ہے)، اور (بطور دیت دیے جانے والے) اونٹوں کی عمروں کا ذکر تھا۔ اور اس میں یہ مذکور تھا کہ: عیر اور ثور (دو پہاڑوں) کے درمیان جو علاقہ ہے وہ حرم مدینہ ہے، جس نے اسے میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی شخص کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس سے قیامت کے دن کوئی فرض قبول کیا جائے گا نہ کوئی نفل۔ اور جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر دوسرے لوگوں کو اپنا مولی (مالک) قرار دیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس سے قیامت کے دن کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ کوئی نفل۔ تمام مسلمانوں کی امان ایک ہی ہے ان میں سے ایک ادنیٰ اور عام مسلمان بھی امان اور پناہ دے سکتا ہے (یعنی کوئی بھی مسلمان اگر کسی کافر کو پناہ دے دے تو وہ درست ہے اس کا توڑنا صحیح نہیں ہوگا)۔ پس جس نے کسی مسلمان سے بے وفائی کی (اس کی امان کو توڑ دیا) تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اس سے قیامت کے دن کوئی فرض قبول ہوگا نہ کوئی نفل۔

[2]...... قَتَادَةُ ، عَنْ أَبِي حَسَّانَ ، أَنَّ عَلِيًّا ، كَانَ يَأْمُرُ بِالْأَمْرِ فَيُؤْتَى ، فَيُقَالُ: قَدْ فَعَلْنَا كَذَا وَكَذَا ، فَيَقُولُ: صَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ ، قَالَ: فَقَالَ لَهُ الْأَشْتَرُ: إِنَّ هَذَا الَّذِي تَقُولُ قَدْ تَفَشَّغَ فِي النَّاسِ ، أَفَشَيْءٌ عَهِدَهُ إِلَيْكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ عَلِيٌّ: مَا عَهِدَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا خَاصَّةً دُونَ النَّاسِ ، إِلا شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْهُ فَهُوَ فِي صَحِيفَةٍ فِي قِرَابِ سَيْفِي ، قَالَ: فَلَمْ يَزَالُوا بِهِ حَتَّى أَخْرَجَ الصَّحِيفَةَ ، قَالَ: فَإِذَا فِيهَا: مَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا ، أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلا عَدْلٌ قَالَ: وَإِذَا فِيهَا: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ الْمَدِينَةَ ، حَرَامٌ مَا بَيْنَ حَرَّتَيْهَا وَحِمَاهَا كُلُّهُ ، لا يُخْتَلَى خَلاهَا ، وَلا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا ، وَلا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا ، إِلا

لِمَنْ أَشَارَ بِهَا ، وَلَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا أَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ ، وَلَا يُحْمَلُ فِيهَا السِّلَاحُ لِقِتَالٍ " قَالَ: وَإِذَا فِيهَا: الْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ ، وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ ، وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ ، أَلَا لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ ، وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ .

تخريج الحديث ابوداؤد (532/2) (5) كتاب المناسك (الحج) (99) باب في تحريم المدينة- عن ابن المثنى عن عبدالصمد عن همام عن قتادة به في جزء منه ، مسند احمد : (119/1) عن بهز (بن حكيم) عن همام ، عن قتادة ، عن أبي حسان به واللفظ منه لأنه أتم وأكمل . قال الأستاذ أحمد شاكر في تحقيق المسند (959/2) : إسناده صحيح . وأبو حسان هو الأعرج يروي عن علي -كما هنا- . سنن النسائي (24/8) كتاب القسامة- سقوط القود من المسلم للكافر باختصار .

ترجمة الحديث قتادہ رحمہ اللہ نے ابوحسان رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ علی رضی اللہ عنہ کسی کام کا حکم دیتے تھے تو اس پر عمل ہوتا تھا، پس کہا جاتا: ہم نے اس طرح اور اس طرح کیا، تو وہ فرماتے: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ راوی نے بیان کیا: اشتر رحمہ اللہ نے انھیں کہا: یہ جو آپ فرماتے ہیں: لوگوں میں یہ بات پھیل چکی ہے، کیا ایسی کوئی چیز ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کی ہے؟ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے علاوہ مجھے کسی خاص چیز کی وصیت نہیں فرمائی، البتہ وہ چیز جو میں نے آپ سے سنی تو وہ میری تلوار کی میان میں صحیفے میں ہے۔ راوی نے بیان کیا: پس وہ (حاضرین) یونہی کہتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے صحیفہ نکالا، تو اس میں تھا: ''ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں؛ اس کے دو پتھریلی اطراف کے مابین کا علاقہ حرم ہے، اس کی تمام چراگاہیں بھی (حرم کے حکم میں شامل ہیں)، اس کے درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں، اس کا شکار نہ بھگایا جائے، اس کی گری پڑی (گم شدہ) چیز نہ اُٹھائی جائے البتہ جو شخص اعلان اور اسے مشہور کرنے کا ارادہ رکھے تو اسے وہ چیز اُٹھانے کی اجازت ہے، اس کے درخت نہ کاٹے جائیں البتہ وہ شخص جو اپنے اونٹ کو چرانے کے لیے کچھ کاٹ لے اور اس میں لڑائی کی غرض سے ہتھیار نہ اُٹھائے جائیں۔ راوی نے بیان کیا: اس میں یہ بھی موجود تھا کہ مومنوں کے خون (جانیں) مساوی درجہ رکھتے ہیں، ان کا ادنی اور معمولی شخص بھی امان دے دے تو سارے مسلمان اس کی پابندی کریں گے، اور وہ اپنے (مسلمانوں کے) علاوہ دیگر کے مقابلے میں یک جان (متحد) ہیں۔ سنو! کسی کافر کے بدلے میں کسی مومن کو قتل کیا جائے گا نہ ہی

کسی ایسے شخص کو جسے امان دی گئی ہو اس کی مدت امان میں قتل کیا جائے گا۔“

[3]...... سُفْيَانُ ابْنُ عُيَيْنَةَ ، حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ ، يُحَدِّثُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ ، قَالَ: سَأَلْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِمَّا لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ؟ ، وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَرَّةً: مَا لَيْسَ عِنْدَ النَّاسِ؟ فَقَالَ: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا فَهْمًا يُعْطَى رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ ، وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قُلْتُ: وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ ، وَفِكَاكُ الأَسِيرِ ، وَأَنْ لا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ .

تخريج الحديث صحيح بخارى : (36/1)(3) كتاب العلم (39) بـاب كتاب العلم- عن محمد بن سلام عن وكيع عن سفيان به و (30/4) (56)، كتاب الجهاد (171)، باب فكاك الأسير- عن أحمد بن يونس، حدثنا زهير، عن مطرف به . و(5/8) (87) كتاب الديات (24)، باب العاقلة عن صدقة بن الفضل عن ابن عيينة به . واللفظ من هذا الموضع .

ترجمة الحديث ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ ایک مرتبہ یوں کہا: جو چیز لوگوں کے پاس نہ ہو؟ تو انھوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو پیدا فرمایا ہمارے پاس تو بس وہی ہے جو قرآن میں ہے، البتہ وہ فہم ہے جو کسی شخص کو اس کی کتاب (قرآن کریم) کے بارے میں دیا جاتا ہے، اور وہ جو صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا: صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت اور قیدیوں کو رہائی دلانا نیز یہ کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

[4]...... الْأَعْمَشُ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، قَالَ: خَطَبَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ، فَقَالَ: مَنْ زَعَمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابَ اللهِ وَهَذِهِ الصَّحِيفَةَ ، ... وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ ، أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا ، وَلَا عَدْلًا .

تخريج الحديث صحيح مسلم (118/1) (15)، كتاب الحج (85) باب فضل المدينة .

ترجمة الحديث ابراہیم التیمی رحمہ اللہ نے اپنے والد سے روایت کیا، انھوں نے کہا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب کیا تو فرمایا: ”جس کا یہ گمان ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے اور اس صحیفے کے علاوہ کوئی

چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں......اور جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے متعلق (باپ ہونے کا) دعوی کیا، یا اس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس سے قیامت کے دن کوئی فرض قبول کیا جائے گا نہ کوئی نفل۔"

[5]...... مُخَارِقٌ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا، عَلَى الْمِنْبَرِ يَخْطُبُ، وَعَلَيْهِ سَيْفٌ حِلْيَتُهُ حَدِيدٌ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: وَاللّٰهِ مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ عَلَيْكُمْ إِلا كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالَى وَهَذِهِ الصَّحِيفَةَ أَعْطَانِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِيهَا فَرَائِضُ الصَّدَقَةِ قَالَ: لِصَحِيفَةٍ مُعَلَّقَةٍ بِسَيْفِهِ.

تخريج الحديث مسند احمد : (119/1) عن يحيى بن آدم عن شريك عن مخارق.

ترجمة الحديث طارق بن شہاب رحمہ اللہ نے بیان کیا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا جب کہ ان کے پاس ایک تلوار تھی، جس کی دستی لوہے کی تھی میں نے انھیں فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو ہم تمھیں پڑھ کر سناتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس صحیفے کے سوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا تھا، اس میں فرائض صدقہ ہیں۔ راوی نے بیان کیا: وہ صحیفہ ان کی تلوار میں معلق تھا۔

[6]...... مُخَارِقٌ، عَنْ طَارِقٍ، قَالَ: خَطَبَنَا عَلِيٌّ، فَقَالَ: مَا عِنْدَنَا شَيْءٌ مِنَ الْوَحْيِ – أَوْ قَالَ: كِتَابٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ – إِلا مَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ، وَهَذِهِ الصَّحِيفَةِ الْمَقْرُونَةِ بِسَيْفِي – وَعَلَيْهِ سَيْفٌ حِلْيَتُهُ حَدِيدٌ – وَفِيهَا فَرَائِضُ الصَّدَقَاتِ.

تخريج الحديث مسند أحمد (102/1) عن محمد بن جعفر الوركاني عن شريك عن مخارق به. وقال الأستاذ أحمد شاكر: إسناده صحيح.

ترجمة الحديث طارق رحمہ اللہ نے بیان کیا: علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب کیا تو فرمایا: ہمارے پاس وحی کی کوئی چیز نہیں یا فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی کتاب مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے، اور میری تلوار کے ساتھ جڑا یا ملا ہوا یہ صحیفہ، ان کے پاس ایک تلوار تھی، جس کی دستی لوہے کی تھی، اور اس میں صدقات کے فرائض تھے۔

[7]...... شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ أَبِي بَزَّةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، قَالَ: سُئِلَ

عَلِيٌّ، أَخَصَّكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِشَيْءٍ؟ فَقَالَ: مَا خَصَّنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِشَيْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ كَافَّةً، إِلَّا مَا كَانَ فِي قِرَابِ سَيْفِي هٰذَا، قَالَ: فَأَخْرَجَ صَحِيفَةً مَكْتُوبٌ فِيهَا: لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا.

تخريج الحديث صحيح مسلم: (1567/3)(35) كتاب الآضاحى-(8) باب تحريم الذبح لغير اللّٰه تعالى ولعن فاعله.

ترجمة الحديث ابوالطفیل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے ذریعے آپ کی تخصیص فرمائی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے ذریعے ہماری تخصیص نہیں فرمائی جو آپ نے ساری لوگوں کو عمومی طور پر نہ دی ہو، سوائے اس چیز کے جو میری اس تلوار کی میان میں ہے، پس آپ نے ایک صحیفہ نکالا اس میں مکتوب تھا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا، اللہ زمین کی حد بندی بدلنے والے پر لعنت فرمائے، جو شخص اپنے والد پر لعن طعن کرے اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے اور اللہ تعالیٰ بدعتی شخص کو پناہ دینے والے پر لعنت فرمائے۔



فصل: 2

توثیق الصحیفة

ہم نے فصل سابق میں بڑی کوشش کے ساتھ صحیفے کی روایات یا اس کی نصوص پیش کی ہیں تا کہ جو روایات جمع ہوئی ہیں ان میں تکرار نہ ہو۔

ائمہ ثقات نے اس صحیفے کو روایت کیا ہے:

ہم نے جو روایات پیش کی ہیں یا پیش نہیں کیں ان پر پہلا ملاحظہ یہ ہے کہ اس صحیفے کو علی رضی اللہ عنہ سے ایک سے زائد روایت کرنے والوں میں سے بعض تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور بعض تابعین عظام رحمہم اللہ۔

اس کو علی رضی اللہ عنہ سے ابو جحیفہ السوائی اور عامر بن واثلہ ابو الطفیل رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے، یہ دونوں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں، جیسا کہ یزید بن شریک التیمی، طارق بن شہاب، حارث بن سوید، ابو حسان الاعرج، قیس بن عباد اور اشتر نخعی رحمہم اللہ نے رویات کیا ہے۔

یہ صحیفہ ان حضرات سے کئی طرق سے روایت کیا گیا ہے، ان میں ثقہ راوی ہیں جن میں سے بعض تو حفظ واتقان میں درجہ امامت پر فائز ہیں جیسے: ابراہیم تیمی رحمہ اللہ، جنھوں نے اسے اپنے والد یزید اور عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کیا ہے، اور انھوں نے اسے ابراہیم اور سلیمان بن مہران اعمش رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کیا ہے، جنھوں نے اسے ابو الطفیل، وکیع بن الجراح، سفیان ثوری، ہشیم بن بشیر، مطرف، ابو معاویہ الضریر، قتادہ بن دعامہ السدوسی، سعید بن ابی عروبہ، اور شعبہ بن حجاج رحمہم اللہ سے روایت کیا ہے، اور اسی طرح، ان میں سے بڑے اجل ائمہ کرام۔ اسی لیے یہ صحیفہ علماء کی توجہ کا مرکز رہا تو انھوں نے اسے اپنی کتب میں روایت کیا، امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے بہت سے طرق سے روایت کیا ہے کہ دونوں کتابیں کتب السنہ کی سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں، ان دونوں نے اسے پیش کرنے میں انتہا درجے کی کوشش کی ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کے آٹھ طرق روایت کیے ہیں: ان میں سے پانچ اعمش عن ابراہیم التیمی عن ابیہ کی سند سے ہیں، جب کہ تین عامر الشعبی عن ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ عن علی رضی اللہ عنہ کی سند سے ہیں۔

تکرار روایات کے فوائد:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث رحمہم اللہ ان طرق کا تکرار کیوں کرتے ہیں؟ کیا اس کا کوئی فائدہ ہے؟

ہم کہتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے کئی ایک فوائد ہیں۔

1: وہ یہ کہ اگر ہم اسے تکرار کا نام دیں تو یہ صحیفے کی اہمیت وتاکید میں اضافہ کا باعث ہے، اور جس وقت وہ مصادر متنوع ہوتے ہیں جن سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث کو حاصل کیا ہے، تو پتا چلتا ہے کہ انھوں نے انھیں اپنے مختلف شیوخ واساتذہ کرام سے روایت کیا ہے، اور پھر ان شیوخ نے بھی انھیں اپنے مختلف شیوخ سے حاصل کیا ہے، تو یہ سب متابعات اور شواہد ہوئیں جو اس صحیفے کی توثیق کا باعث ہیں۔

2: روایت بالمعنی علماء اہل حدیث کے نزدیک ثابت ہے، تو جب روایت کے الفاظ مختلف ہو جاتے ہیں، تو کبھی اس کے ساتھ ان روایات کے درمیان مقارنہ کیا جاتا ہے تاکہ اس دقیق معنی کو اختیار کیا جائے جس پر ان دونوں کے بڑے حصے پر اجماع ہوا ہے، یا بعض اُمور کی وضاحت کرنا ہوتا ہے جو ایک روایت میں مجمل بیان ہوئے ہیں جب کہ دوسری میں مفسر، یا پھر ان بعض زیادات کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے جنھیں بعض راویوں نے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے اُمور سابقہ کی تحقیق واثبات کے لیے ان روایات کو جمع کرنے کے لیے بڑی زیادہ محنت کی ہے۔

3: ان میں سے بعض طرق عالی سند ہوتے ہیں جب کہ بعض نازل، جب کہ ان سب میں فوائد ہیں، ان میں سے جو مفید ہے اسے جمع کر لیں اور بعض کو چھوڑ دیں اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کے ہاں یہ طریقہ معتاد ہے۔

4: ان کے نزدیک تکرار حدیث منہجی حوالے سے بھی ہے، اس لیے ان کی کتب موضوع اور فقہی ترتیب سے مرتب ہیں، جیسا کہ ہم نے صحیفے میں دیکھا، وہ متعدد موضوعات پر مشتمل ہے، پس وہ سمجھتے ہیں کہ مناسب یہی ہے، وہ اس کے موضوعات میں سے ہر روایت کو اس کے موضوع پر اسے ذکر کریں؟ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے مختلف کتب وابواب میں آٹھ مقامات پر ذکر کیا ہے۔

صحیفہ کے متابعات:

متابعات سے بھی صحیفے کی توثیق میں اضافہ ہوتا ہے کہ اس میں جو موجود ہے اسے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

بھی روایت کیا ہے اور وہ صحیح طرق سے ہم تک پہنچا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وہ جزء روایت کیا جس میں حرم مدینہ کا ذکر ہے۔

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا مِثْلَ مَا حَرَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمَ مَكَّةَ . اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ وَصَاعِهِمْ)) وفی روایة: ((مَا بَيْنَ كَذَا إِلَى كَذَا، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.)) [1]

جیسا کہ صحیفے سے دوسرے اجزاء کو جابر بن عبداللہ اور ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے اور وہ اس کتاب کی فصول میں ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہوں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم ان اعتراضات کا بھی جائزہ لیں گے کہ صحیفے میں مذکور بعض چیزیں صحیح نہیں ہیں، اس میں راویوں کی طرف سے وہم یا اضطراب ہے یا دیگر احادیث کے ساتھ تعارض واقع ہوا ہے۔ ہم ان تمام اعتراضات کا جائزہ لیں گے اور الگ طور پر ان کے جوابات ذکر کرنے کی کوشش کریں گے۔

أَوَّلًا:......پہلی بات تو یہ ہے کہ صحیفے میں راویوں کی طرف سے کوئی وہم نہیں:

بعض نے کہا ہے: کہ مدینہ میں ''عیر'' نامی کوئی پہاڑ ہے نہ کوئی ''ثور'' نامی پہاڑ ہے، وہ دونوں تو مکہ کے پہاڑ ہیں، یہ صحیفے کی احادیث میں ذکر ہوا ہے اور یہ بر سبیل خطا ہے۔

مصعب زبیری نے کہا: مدینہ میں ''عیر'' ہے نہ کوئی ''ثور''، ''ثور'' کے انکار پر ابوعبیدہ نے ان کی موافقت کی ہے، انھوں نے کہا: یہ اہل عراق کی روایت ہے، رہے مدینہ والے تو وہ اپنے ہاں کسی ایسے پہاڑ کو نہیں جانتے جسے ثور کہا جاتا ہو، ثور تو مکہ میں ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ صحیح حدیث وہ ہے جس میں عیر سے اُحد تک کا ذکر ہے۔

یعنی اہل عراق کی روایت اس سے متعارض ہے جسے اہل مدینہ جانتے پہچانتے ہیں، وہ ان کا اپنا شہر ہے وہ اس کے اور اس کے پہاڑوں کے متعلق زیادہ خبر رکھتے ہیں، لہٰذا یہاں روایت میں خطا عدم صحت حدیث تک پہنچاتی ہے، جیسا کہ وہ محدثین کے ہاں ثابت شدہ اصول ہے۔

---

[1] صحیح بخاری: (221/2) (1/29) باب حرم المدینة . من طریق ثابت بن یزید عن عاصم الأحول عن أنس، مسلم: (993/2_994) (15) کتاب الحج (85) باب فضل المدینة۔ من طریق إسماعیل بن جعفر عن عمرو بن أبي عمرو مولى المطلب بن عبداللہ بن حنطب عن أنس قال: قال رسول اللہ ﷺ اسی طرح جابر بن عبداللہ، عامر بن سعد، رافع بن خدیج، ابوھریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم .

بعض علماء نے مصعب کے قول کو لیا ہے یہ تسلیم شدہ مسئلہ ہے، لیکن انھوں نے یہ اعتقاد رکھا کہ اس حدیث میں کوئی وہم نہیں، اور انھوں نے اس کی اس طرح تاویل کی جو اس قضیہ کے منافی نہیں، اور وہ یہ کہ مدینہ میں ''عیر'' اور ''ثور'' پہاڑ نہیں ہیں لیکن وہ دونوں مکہ میں ہیں، ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا:

اس بات کا احتمال ہے کہ عیر اور ثور کے درمیان جو مقدار ہے اس سے مراد مکہ میں ہو، یہ نہیں کہ وہ دونوں بالکل مدینہ ہی میں ہوں، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توسع اختیار کرتے ہوئے مدینہ کے دونوں اطراف کے دونوں پہاڑوں کو ''عیر'' اور ''ثور'' کا نام دے دیا ہو۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ان دونوں کا نام رکھ دیا ہو)۔ [1]

ابن اثیر رحمہ اللہ نے تاویل میں اختلاف کے باوجود اس موقف و میلان کو اختیار کیا ہے؛ اور کہا گیا ہے: کہ ''عیر'' مکہ کا پہاڑ ہے، پس اس سے یہ مراد ہو: کہ مدینہ کا اتنا علاقہ حرم قرار دیا ہو جتنا مکہ میں عیر اور ثور کے درمیان فاصلہ ہے، اور یہ حذف مضاف اور وصف مصدر محذوف پر ہو۔ [2] بایں ہمہ یہ کہ انھوں نے اسے ذکر کیا کہ ''عیر'' پہاڑ مدینہ کے حوالے سے معروف ہے، اور ثور کا ذکر راوی کی غلطی ہے۔

نووی رحمہ اللہ نے کہا: اس بات کا احتمال ہے کہ ثور وہاں کے پہاڑوں کا نام ہو، اُحد یا اس کے علاوہ کا۔ [3]

عَیْر اور ثور مدینہ کے دو پہاڑ ہیں

علماء نے اس دعوی کے رد اور اس بات کے اثبات پر کہ اس حدیث میں کوئی وہم نہیں بڑی محنت کی ہے، اور یہ کہ وہم اس نفی کے بارے میں ہے، مدینہ میں دو پہاڑ ہوں جب کہ حق یہ ہے کہ جیسا کہ محقق علماء نے بیان کیا ہے کہ مدینہ کے دونوں کونوں پر دو پہاڑ ہیں: ان میں سے ایک کا نام ثور جب کہ دوسرے کا نام عَیْر ہے، ثور مدینہ کے شمال میں اُحد پہاڑ کے پیچھے ہے اور عَیر اس کے جنوب میں ہے، یہ کہ وہ دونوں ان دونوں جہت سے مدینے کی حد بندی کرتے ہیں۔

اس کے اثبات کے لیے ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں، عبداللہ بن عباس السمہودی رحمہ اللہ نے ''وفاء الوفا بأخبار دار المصطفى'' میں اور محمد فواد عبدالباقی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی تشریح میں قلم گھسا دیے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بحث و تحقیق:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قاضی عیاض الیحصبی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، وہ یہ کہ: عیر کے مدینہ میں ہونے

[1] المغنی: 354/2.
[2] النہایۃ: مادۃ ثور (229/1۔ 230).
[3] شرح مسلم: 518/3.

کے حوالے سے انکار کی کوئی وجہ ہی نہیں، وہ تو معروف ہے، اس کا ذکر ان کے اشعار میں آیا ہے، ابو عبید البکری رحمہ اللہ نے اس بارے میں متعدد شواہد ذکر کیے ہیں؟ ان میں سے الاحوص المدنی مشہور شاعر کا قول ہے:

فقلت لعمرو تلك یاعمرو وناره
تشُبُّ قفا "عَيْر" فهل أنت ناظر

ابن السید رحمہ اللہ نے ''المثلث'' میں ذکر کیا کہ عَیر مدینے کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ معروف ہے، الزبیر بن بکار رحمہ اللہ نے "اخبار المدینة" میں عیسیٰ بن موسیٰ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: سعید بن عمرو نے بشر بن السائب سے کہا، کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے عقبہ (گھاٹی) میں کیوں سکونت اختیار کی؟ انھوں نے کہا: ہم نے دورِ جاہلیت میں تمھارا ایک آدمی قتل کر دیا تھا، اس لیے ہمیں اس طرف نکال دیا گیا، تو انھوں نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ تم نے ہمارا ایک اور آدمی قتل کر دیا ہوتا اور تم عَیر یعنی پہاڑ کے پیچھے سکونت اختیار کر لیتے۔ اس خبر میں اس طرح ہے۔ [1]

یہ اس بات کے اثبات کے لیے ہے کہ مدینہ میں عیر نامی ایک پہاڑ ہے، جہاں تک ثور کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کے اقوال منقول ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ مدینہ میں ثور نامی ایک پہاڑ ہے اور وہ اُحد پہاڑ کے پیچھے ہے۔ المحب اللطبری رحمہ اللہ کہتے ہیں ثقہ عالم ابو محمد عبدالسلام البصری رحمہ اللہ نے مجھے بتایا کہ اُحد کے مقابل اس کی بائیں جانب اس کے پیچھے کی جانب جھکتا ہوا ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے ثور کہتے ہیں، اور انھوں نے اس پر تفصیل سے بات کی ہے۔ انھوں نے بیان کیا، پس ہم نے جان لیا کہ ثور کا صحیح حدیث میں ذکر ہے، اور یہ کہ اکابر علماء کا اس کے متعلق عدم علم اس کے عدم شہرت اور اس کے متعلق ان کی عدم بحث و تحقیق ہے، انھوں نے کہا: یہ ایک بڑا فائدہ ہے۔

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا: میں نے اپنے اساتذہ کرام میں سے ایک استاد محترم القطب الحلبی رحمہ اللہ کی اس کی شرح میں ایک تحریر پڑھی، ہمارے شیخ امام ابو محمد عبدالسلام بن مزروع البصری رحمہ اللہ نے ہمیں بیان کیا کہ وہ ایک قاصد کی حیثیت سے عراق کی طرف روانہ ہوئے، جب وہ مدینہ واپس آئے تو ان کے ساتھ ایک گائیڈ (راہ نما) بھی تھا، وہ انھیں مختلف جگہوں اور پہاڑی سلسلوں کے متعلق بتاتا تھا، انھوں نے بیان کیا: جب میں اُحد کے پاس پہنچا تو اس کے قرب میں ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا، میں نے اس سے اس کے متعلق پوچھا تو اس

[1] فتح الباری: 82/4.

نے کہا: اسے ثور کہتے ہیں، انھوں نے بیان کیا: پس میں نے صحت روایت کو جان لیا۔ [1]

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ہمارے شیخ ابو بکر حسین المراغی رحمہ اللہ جو کہ مدینہ کے رہائشی ہیں، نے اپنی مختصر اخبار مدینہ میں ذکر کیا کہ اہل مدینہ کے جانشین اپنے اسلاف سے نقل کرتے ہیں کہ اُحد کے پیچھے شمال کی جانب ایک چھوٹا سا سرخ رنگ کا پہاڑ ہے جس کا نام ثور ہے، انھوں نے کہا: میں نے مشاہدے سے اس کی تحقیق کی۔ [2]

اس ساری بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بعض علماء نے بس مطلق دعوی کیا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، بعض علماء تحقیق کے بغیر ہی اس پر چل پڑے ہیں، لیکن ان میں سے محقق علماء نے حق واضح کر دیا ہے جو صحت حدیث اور اس کی واقع مدینہ سے مطابقت واضح کرتا ہے جیسا کہ ان کے جانشین اپنے اسلاف سے نقل کرتے ہیں۔

کیا امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث میں تبدیلی کی ہے؟

اس سے پہلے کہ ہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (کی بحث) کو چھوڑیں ہم انھیں دوسرے دعوی پر اختتامی بحث کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان میں سے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں ثور کا ذکر خطا ہے، اسی لیے انھوں نے حدیث میں تصرف کیا، اور لفظ ”کذا“ کے ساتھ اشارۃً کہا، پس ان کی بعض روایات کی نص اس طرح ہے:

((مابین عَیر إلَی کَذَا)) ”جو عیر سے فلاں جگہ تک ہے۔“ پس یہ (اشارۃً تصرف) ان کی کاری گری ہے۔

لیکن یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالہ سے صحیح نہیں۔ اس لیے کہ ان کی ایک روایت میں ”ثور“ کا نام لیا گیا ہے، اور وہ کتاب الفرائض کی روایت ہے، اور یہ وہ روایت ہے جو صحیفے کی نصوص کی فصل میں بیان ہوئی ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کسی روایت میں تصرف نہیں کیا، یہ ان کے کسی راوی سے ہوسکتا ہے، ورنہ وہ اس روایت میں بھی تصرف کرتے، یہ ان کا مقام و مرتبہ ہے نہ ان کی طبع ہے، ان پر یہ بہتان لگانا کسی دلیل و برہان کے بغیر ان کے مقام و مرتبے میں تنقیص ہے۔ اور جس نے یہ کہا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔ [3]

---

[1] فتح الباری: 4/82-83.

[2] فتح الباری: 4/83.

[3] فتح الباری: 4/83.

السمھودی رحمہ اللہ کی بحث وتمحیص:

انھوں نے ان دونوں پہاڑوں کی تعریف سے ابتدا کی ہے، انھوں نے کہا: رہا عَیر تو اسے عایر بھی کہا جاتا ہے وہ میقات مدینہ ذوالحلیفہ کے قریب مدینہ کی جانب ایک مشہور بڑا پہاڑ ہے، اور ثور اُحد کے پیچھے ایک چھوٹا پہاڑ ہے۔

پھر انھوں نے علماء کے اقوال ذکر کیے جو ان دونوں پہاڑوں کا مدینہ میں واقع ہونا ثابت کرتے ہیں، کیوں کہ بعض اہل مدینہ کی ان دونوں سے یا ان میں سے کسی ایک سے عدم معرفت حدیث میں وہم کے متعلق حکم اور ان دونوں کے وجود کے انکار کی وجہ جواز نہیں، اور انھوں نے جو اقوال نقل کیے ہیں ان میں سے: ''البیان والانتصار'' کے مصنف کی بیان کردہ لفظ ثور والی روایت صحیح ہے، پس راویان حدیث کی پہچان میں توھم نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ بسا اوقات جگہوں کے نام بدل جاتے ہیں یا بھلا دیے جاتے ہیں، بہت سے لوگ انھیں نہیں جانتے۔ مزید کہا: میں نے مکہ میں وادی محسر کے متعلق پوچھا، اور قربانی سے متعلق دیگر اماکن کے متعلق پوچھا تو ان کے متعلق مجھے نہ بتایا گیا حالانکہ وہاں لوگ بار بار آتے رہتے ہیں، تو پھر دیگر اماکن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ نیز یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دونام ہوں اور وہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ معروف ہو جبکہ دوسری کے ساتھ مشہور نہ ہو۔

علامہ فیروز آبادی سے اسی کے مانند منقول ہے، انھوں نے کہا: اس بات کا امکان ہے، بعض چیزوں / جگہوں کے نام بدل جاتے ہیں یا نسیان واقع ہو جاتا ہے۔ کہا: حتی کہ میں نے مدینہ کے فقہاء و امراء کی جماعت اور ان کے علاوہ معززین سے فدک اور اس کی جگہ کے متعلق پوچھا تو وہاں کے سب لوگوں نے اس نامی جگہ کے متعلق عدم معرفت کا اظہار کیا، حالانکہ یہ قریہ دولت عباسی کے اواخر تک اشراف وخلفاء کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی ہے، تو پھر کس طرح ایک چھوٹا سا پہاڑ جس سے کوئی بڑا امر بھی متعلق نہیں با ایں ہمہ وہ مدینہ کے اہل علم کے درمیان معروف ہے۔ اور بعض علماء نے اس کا وصف خلفا عن سلف نقل کیا ہے۔ [1]

محمد فواد عبدالباقی رحمہ اللہ کی بحث وتحقیق:

استاد محمد فواد عبدالباقی رحمہ اللہ اس کے متعلق بحث وتحقیق سے پہلے وضاحت کرتے ہوئے پوری منظر کشی کرتے ہیں کہ بہت سے علماء کے وہم کی اساس جو انھوں نے کہا: ''کہ ثور مدینہ کے پہاڑوں میں سے نہیں'' جو مصعب زبیری کا قول اور ابو عبید کا اس قول کی متابعت کرنا ہے۔

[1] وفاء الوفاء: (1/65-66).

فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے لہٰذا ان کی روایت میں کسی قسم کا وہن یا شک پیدا نہیں ہوسکتا اور اس حدیث کو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ میں بیان کیا، اہل مدینہ نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، ان میں سے امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس پر انتہائی توجہ دی، اور اپنے مشہور صحیفے پر خصوصی توجہ فرمائی جو کہ ان کی تلوار کی میان میں تھا، اس کے باوجود مصعب زبیری نے متن حدیث میں طعن کیا۔

اور کچھ علماء نے کسی تمحیص و تحقیق کے بغیر ہی مصعب اور ابوعبید کے قول کو حجت بنا لیا، پھر حدیث کو تخریج و تاویل کے طور پر زیر بحث لائے ......اس قول کے باعث تین کبار مؤلفین بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوگئے، ان میں سے پہلے ابوعبید البکری المتوفی عام 487ھ دوسرے ابن اثیر المتوفی عام 606ھ صاحبِ "النهاية في غريب الحديث والأثر"، جب کہ تیسرے یاقوت الحموی، المتوفی عام 626ھ ہیں، انھوں نے اپنی کتاب معجم البلدان میں غلطی کی ہے۔ ❶

پھر انھوں نے ان حضرات کے اقوال اور ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا جسے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، اور ایسے دلائل کا اضافہ کیا جو ثابت کرتے ہیں کہ عیر اور ثور مدینہ کے دو پہاڑ ہیں۔

فیروز آبادی نے القاموس المحیط میں بیان کیا ہے: ثور مدینہ میں ایک پہاڑ ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: ''عیر سے ثور تک حرم مدینہ ہے۔'' رہا ابوعبید بن سلام اور دیگر اکابر اعلام کا قول کہ یہ تصحیف ہے، درست یہ ہے کہ ''إِلی أُحُدٍ'' (اُحد تک) کے الفاظ ہیں، کیوں کہ ثور تو مکہ میں ہے۔ تو (ان کا) یہ قول درست نہیں۔

الشجاع البعلی نے الحافظ ابومحمد عبدالسلام البصری سے بیان کیا کہ اُحد کے مقابل اس کی پچھلی جانب جھکاؤ رکھتا ہوا ایک چھوٹا پہاڑ ہے جسے ''ثور'' کہتے ہیں، اس کے متعلق اس سرزمین کے متعلق جاننے والے عرب قبائل سے میں نے تکرار کے ساتھ سوال کیا تو سب نے مجھے یہی بتایا کہ اس کا نام ثور ہے، جبکہ الشیخ عفیف الدین المطری نے ثقہ محدث اپنے والد کے حوالے سے مجھے خط لکھا، انھوں نے کہا: اُحد کے پیچھے اس کے شمال میں ایک گول پہاڑ ہے جسے ثور کا نام دیا جاتا ہے جسے مدینہ والے نسل در نسل جانتے ہیں۔ ❷

اس کے بعد استاد محمد فواد الباقی رحمہ اللہ، اس بارے میں معاصر علماء کی تحقیقات کی طرف منتقل ہوئے ہیں، انھوں نے ذکر کیا کہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب منزل الوحی (ص: 581) میں اس حدیث: ''میں ان

---

❶ التعليق على صحيح مسلم : 2/995-997.

❷ القاموس المحيط ، مادة (ثور).

دونوں پہاڑوں کے درمیان کو حرم قرار دیتا ہوں'' کا ذکر کرتے ہوئے کہا: مدینے کے ان دونوں پہاڑوں سے مقصود: عَیر اور اُحد یا عیر اور ثور ہیں جو کہ اُحد کے پیچھے واقع ہے، اُحد حرم میں داخل ہوتا ہے...... انھوں نے مدینہ منورہ کا نقشہ شائع کیا وہاں نقشے کے سرے پر شمال کی جانب جبل اُحد کے پیچھے جبل ثور واقع ہے۔

جیسا کہ استاد محمد فواد عبدالباقی رحمہ اللہ نے کتاب آثار المدینہ المنورہ میں نقل کیا ہے کہ عیر اور ثور مدینہ کے پہاڑوں میں سے دو پہاڑ ہیں، ان دونوں میں سے جو پہلا ہے وہ بہت بڑا ہے اور وہ وہاں سے تقریباً دو گھنٹے کی مسافت پر جنوب مدینہ میں واقع ہے، ان میں سے دوسرا احمر (سرخ) چھوٹا ہے وہ اُحد کے شمال میں واقع ہے اور وہ دونوں جنوباً و شمالاً مدینہ کے حرم کی حد بندی کرتے ہیں۔

جیسا کہ کتاب عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار (ص:249) میں منقول ہے: ثور اُحد کے پیچھے ایک انتہائی چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ بعض حفاظ نے کہا ہے: اُحد کے پیچھے اس کے شمال کی جانب گول چھوٹا سا پہاڑ ہے جس کا نام ثور ہے اور مدینے والے اسے جانتے ہیں...... میں کہتا ہوں: میں ان میں سے ہوں جنھوں نے اسے دیکھا ہے اور اس کا مشاہدہ کیا ہے، جب کہ خبر مشاہدے کی طرح نہیں ہوتی۔ [1]

ہم اس بحث کو علامہ فیروز آبادی کی بات پر ختم کرتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ محض اس دعوے کی بنیاد پر ''کہ اہل مدینہ ثور نامی پہاڑ کو نہیں جانتے'' ایسی صحیح حدیث، جس کی صحت پر اتفاق ہے، میں وہم کے اثبات کے لیے ان حضرات کی طرف مسارعت نہیں کرتا۔ [2]

ثانیاً:...... دعوی اضطراب کو دور کرنا:

بعض حنفیہ نے ذکر کیا جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ان سے نقل کیا ہے کہ صحیفے کی بعض احادیث مضطرب ہیں کہ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں: ((مـابين لَابَتَيْها)) دوسری روایت میں: ((مَأْزِمَيْهَا)) اور جب کہ تیسری روایت میں ((مابين جَبَلَيْهَا)) ہے۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ: محدثین کے ہاں یہ معلوم ہے کہ حدیث پر اضطراب کا حکم تب لگایا جائے گا جب اس کی روایات متعارض ہوں، اور ان روایات کے درمیان جمع کا امکان نہ ہو، یا ان میں سے کسی کو ترجیح نہ دی جاسکتی ہو، جب کہ یہاں ایسا کوئی معاملہ نہیں۔

ان روایات جن کی عبارتیں وارد ہوئی ہیں کی جمع و تطبیق ممکن ہے، بلکہ واضح ہے۔ جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ بیان

[1] التعليق على مسلم : 992/2 .

[2] وفاء الوفا للسمهودی :65/1 .

کرتے ہیں۔ ❶

پس "لابتان" ان دونوں کا معنی "حرتان"، لا بۃ کا تثنیہ ہے، اور حرہ کالے پتھروں والی ایسی زمین جو جلی ہوئی (کالی سیاہ) دکھائی دے، اور "مأزمیھا"، مأزم کا تثنیہ ہے، وہ پہاڑوں میں درہ ہے جہاں وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور جو اس کے پیچھے ہے وہ کشادہ ہوتا ہے۔

پس "لابتیھا" اور "جبلیھا" کی دونوں رایتوں کے درمیان جمع وتطبیق ممکن ہے؛ کیوں کہ مدینہ میں ہر "لابہ" کے پاس اس کے متصل ایک پہاڑ ہے، یا شرق وغرب کی جانب دو لابہ اور شمال وجنوب کی جہت دو پہاڑ ہیں، پس دوسری روایت میں دو پہاڑوں کا نام ذکر ہونا مضر نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا: یہ تمام احادیث متفق ہیں: ((فما بَین لابتیھا)) یہ مشرق ومغرب کی دونوں جہتوں سے حد مدینہ کا بیان ہے، اور جو ((بَیْن جَبَلَیْھا)) ہے، یہ جنوب وشمال کی جہت سے اس کی حد کا بیان ہے، واللہ اعلم۔ ❷

رہی روایت: ((مأزمیھا)) تو وہ ابو سعید کے بعض طرق میں ہے، اور "المأزم" کا اطلاق خود پہاڑ پر بھی ہوتا ہے یا دو پہاڑوں کے درمیان درے پر بھی؛ یعنی متصل درہ، "عیر" اور "ثور"، اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مقام پر کہا ہے ہم بھی ویسے ہی کہیں گے: "اس طرح کے موقف کی وجہ سے صحیح احادیث رد نہیں کی جا سکتیں۔" ❸

کچھ ایسے اقوال بھی ہیں جو حرم مدینہ سے متعلق احادیث کا منسوخ ہونا بیان کرتے ہیں، ہم وہ اقوال فقہ صحیفہ کی بحث میں ذکر کریں گے، ان شاء اللہ

صحیفے کی احادیث کی صورت پر اطمینان کے بعد ہم اس اطمینان پر مرتب ہونے والے آخری دو موضوع کی طرف منتقل ہوتے ہیں، اور وہ دونوں موضوع ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سنت/حدیث کی کتابت کی ابتدا پر دلالت صحیفہ، اور جو صحیفے سے متعلق فقہی احکام ہیں، ان کے بارے میں علماء کا اختلاف۔



❶ فتح الباری: 83/4.
❷ شرح مسلم للنووی: 518/3.
❸ فتح الباری: 83/4.

فصل: 3

صحیفہ اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابتِ سنت

صحیفے کے نصوص اس بات پر قوی دلالت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لکھا گیا تھا جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''یہ صحیفہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔'' اور ان کا یہ قول کہ ہمارے پاس وحی کی کوئی چیز نہیں یا فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی کتاب/تحریر مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے اور یہ صحیفہ''۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انھوں نے اپنی تلوار منگوائی، انھوں نے تلوار کی نیام سے ایک چمڑا نکالا، اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور اس تحریر کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کا حرم ہے، اور میرا حرم مدینہ ہے۔ [1]

پس صحیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا تھا، اور یہ وہ امتیاز ہے جس سے ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت سمجھی جائے، لیکن جو صحیفے میں ہے اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو ان کے لیے اور اہل بیت کے لیے خاص ہو، بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے نقل کیا ہے- جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں- بلکہ صحیفے میں جو چیز تھی وہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں بھی مکتوب تھی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نافع بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ مروان بن حکم نے لوگوں سے خطاب کیا، انھوں نے مکہ، اس کے باشندوں اور اس کی حرمت کا ذکر کیا، مدینہ، اس کے باشندوں اور اس کی حرمت کا ذکر نہ کیا، تو رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے آواز دے کر فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں سن رہا ہوں کہ تم نے مکہ، اس کے باشندوں اور اس کی حرمت کا ذکر کیا ہے لیکن مدینہ، اس کے باشندوں اور اس کی حرمت کا ذکر نہیں کیا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو پہاڑوں کے درمیان والے علاقے کو حرام قرار دیا، اور یہ خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہمارے ہاں موجود ہے، اگر تم چاہو تو میں تمھیں پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔ [2]

---

[1] وفاء الوفا: 64/1.

[2] صحیح مسلم: 992/2 (15) كتاب الحج، (85) باب فضل المدينة من طريق سليمان بن بلال، عن عتبة بن مسلم عن نافع بن جبير أن مروان ......الخ.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے صحیفے میں فرائض صدقہ مجمل ذکر کیے گئے ہیں، لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیفے میں یہ فرائض تفصیل سے مذکور ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے، ہم ان شاء اللہ عنقریب اسے ذکر کریں گے۔ جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کے صحیفے کے وقت تو اسی طرح اس صحیفے کی صورت کی تکمیل کی بھی کوشش کریں گے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم یہاں یہ ثابت کریں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر تھی جس میں فرائض صدقہ تھے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ ❶

سالم بن عبداللہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب صدقہ تحریر فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے عمال کی طرف نہیں بھیجا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، آپ نے اسے اپنی تلوار کے ساتھ رکھا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا حتی کہ وہ وفات پا گئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا حتی کہ وہ فات پا گئے۔ ❷

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروایا کہ ہر قبیلے پر ان کی دیت ہے، پھر تحریر کروایا: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان شخص کے غلام کو اس کی اجازت کے بغیر اپنا غلام بنا لے، پھر بتایا کہ ایسا کرنے والے پر ان کے صحیفے میں لعنت کی گئی ہے۔ ❸

تب اس خصوصیت کی ہمیں یہ سمجھ آئی ہے کہ یہ صحیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ علی رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر عطا فرما دیا، یہ بات صحیفے کی بعض روایات میں آئی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ''اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔'' اور وہ ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کتاب/تحریر۔''

اس بات کا اس سے کوئی تعارض نہیں جو ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے پاس تھا، ان کے پاس جو صحیفہ تھا وہ فرائض صدقہ کے ساتھ خاص تھا، رہا یہ صحیفہ اس میں تو بہت سے اُمور اور متعدد موضوعات ہیں جیسا کہ ہم اس کی نصوص میں دیکھ چکے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا صحیفہ اور اس کے علاوہ تحریروں سے کتابت حدیث پر استدلال:

امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث صحیفہ میں سے ایک حدیث کتاب العلم میں روایت کی ہے اور اس کے لیے

---

❶ فتح الباری: 318/3، دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینه: 94/1.

❷ السنن الکبری للبیهقی: 88/4.

❸ صحیح مسلم: 1146/2(20) کتاب العتق، (4) باب تحریم تولی العتیق غیر موالیه.

باب قائم کیا ہے: "باب کتابة العلم"، جو کہ کتابت حدیث کے جواز اور ان لوگوں پر رد پر دلالت ہے جو اسے ناپسند کرتے ہیں، اور اسی طرح اس پر بھی دلالت ہے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عملی طور پر لکھی گئی، اسی لیے اس حدیث کو روایت کیا۔

اسی طرح ابو شاہ یمنی رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اپنے خطبات میں سے خطبہ لکھوا دیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو شاہ کو لکھ دو۔''

یہ کیسی عمدہ بات ہے کہ یہاں ایک نقطہ جو دونوں حدیثوں کے درمیان مماثلت رکھتا ہے: حدیث صحیفہ میں حرم مدینہ کا ذکر ہے، جب کہ خطبہ میں حرم مکہ کا ذکر ہے، اور پھر دونوں میں دیتوں کا ذکر ہے۔ [1]

جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس اثبات میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے صرف عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے مجھ سے زیادہ احادیث روایت کیں کیوں کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے جب کہ میں لکھا نہیں کرتا تھا۔ [2] یاد رہے کہ یہ تحریر اور کتابت کی بات ہے ورنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ احادیث مروی ہیں بنسبت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے۔

جیسا کہ مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس کوئی کاغذ وغیرہ لاؤ کہ میں تحریر کرا دوں تاکہ ان کے بعد وہ گمراہ نہ ہوں۔ [3]

حقیقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے پر تحریر نہ لکھوائی گئی: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کا غلبہ ہے اور فرمایا: ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، پس حاضرین نے اختلاف کیا یا شور بہت زیادہ ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس سے اُٹھ جاؤ، میرے پاس تنازع مناسب نہیں۔''

لیکن یہ اپنی ذات کی حد تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھنے کی اجازت پر دلیل ہے، اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بس یہی وہ معمولی سا مسئلہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریر کرانے کے درمیان حائل ہوا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کتابت حدیث پر یہ سب صحیح دلائل و براہین ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری: 36/1 (3) کتاب العلم، (39) باب کتابه العلم.

[2] المصدر السابق، الموضع نفسه.
[3] المصدر السابق، الموضع نفسه.

رسول اللہ ﷺ کے دور میں جو صحائف لکھے گئے ان میں سے کوئی تحریر ہم تک نہیں پہنچی تو اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم کہیں: کہ حدیث لکھی نہیں گئی یا بہت کم لکھی گئی۔ پس یہ اشیاء کی خاصیت ہے: کہ جب تک وہ مکتوبات دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں مصنفات کبیرہ میں داخل رہے تو وہ ضائع نہ ہوئیں اور نہ ان سے غفلت برتی گئی، لیکن باقی رہا کہ یہ مصنفات جن میں سے بعض وقت گزرنے کے ساتھ ہم تک پہنچیں بس وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں لکھے گئے مجموعات ہیں جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے لیکن لکھے نہیں گئے جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے۔

عبارات تحدیث عدم کتابت پر دلالت نہیں کرتیں:

بعض لوگوں کا فہم ہے کہ راویوں کے درمیان اسانید میں روابط کتابت کو ضبط تحریر میں نہیں لائے، وہ تو سماع یا اخبار کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔

لیکن یہ فہم حقیقت سے دور نہیں کر سکتا، مثلاً صحیفے کی بعض روایات میں علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا، اس میں انھوں نے کسی صحیفے کا ذکر کیا ہے نہ کسی تحریر کا، پس نصوص صحیفہ کی آخری روایت جو صحیح مسلم میں اس طرح ہے: عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا تو اس نے کہا: نبی کریم ﷺ آپ رضی اللہ عنہ سے کون سی خفیہ بات کرتے تھے؟ پس وہ تو ناراض ہو گئے اور فرمایا: نبی ﷺ مجھ سے کوئی خفیہ بات نہیں کرتے تھے جسے آپ لوگوں سے چھپاتے ہوں، البتہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے چار باتیں بیان فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنے والد پر لعنت بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے، جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے، جو کسی بدعتی شخص کو جگہ/ پناہ دے تو اللہ اس پر لعنت فرمائے، اور جو کوئی زمین کے نشانات (اس کی حد بندیاں) بدل دے تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے۔“ [1]

اس میں کتابت کا کوئی ذکر نہیں۔

اسی طرح رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی سابقہ روایت، جس میں رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خولانی چمڑے پر مکتوب کوئی چیز تھی جو کہ میرے ہاں موجود ہے، ایک دوسری سند سے بیان ہوئی ہے اس میں اس کتابت کا کوئی ذکر نہیں۔ [2]

---

[1] صحیح مسلم: 1567/3 (35) کتاب الأضاحی، (8) باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالی ولعن فاعله.

[2] صحیح مسلم: 991/2 (15) کتاب الحج، (85) باب فضل المدینة.

کہا جاتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے دیگر روایات میں ذکر کیا ہے، وہ ان کے پاس صحیفے میں مکتوب ہے۔ سنت میں دیگر روایات کے برعکس ان میں کتابت کی وضاحت نہیں کی گئی۔

ہم کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے تب یہ ذکر کیا جب ان کے بعض اصحاب نے گمان کیا کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی ایسی چیز ہے جو کہ دیگر لوگوں کے پاس نہیں، کون جانتا ہے: ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اس صحیفے کو ظاہر کرنے والے نہ ہوں، اور انھوں نے اس کا ذکر کیے بغیر اس سے بیان کیا ہو جیسا کہ ان کے علاوہ حضرات بیان کرتے ہیں، مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، آپ ان کی مسند میں اس بات کا اشارہ تک نہیں پائیں گے کہ انھوں نے تحریر کیا ہے، حالانکہ انھوں نے فعلاً تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں بیان کیا ہے۔ ہم بیان کرتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ وہ اس صحیفے کو ظاہر نہ کرتے اگر یہ نہ ہوتا کہ انھوں نے اس ظن یا اعتقاد کو دور کرنے کا ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور اہل بیت کو کوئی خصوصی چیز عطا فرمائی جو دیگر لوگوں کو عطا نہیں فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سنت کی بہت زیادہ کتابت ہوئی:

ہماری یہ بات حقیقت کے قریب ہے، کہ وہ مواد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لکھا گیا وہ کوئی تھوڑی چیز نہیں، جب ہم نمونے کے طور پر صحیفہ علی رضی اللہ عنہ اور صحیفہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ لیتے ہیں تو اس حقیقت کو پالیتے ہیں۔

اس سے پہلے مناسب نہیں کہ ہم اس کوشش سے مستثنیٰ قرار دے دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا: چند صحیح دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد اجازت دے دی تھی، یہ دونوں صحیفے ثابت کرتے ہیں کہ حدیث فعلاً لکھی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کتابت سنت کے دو عملی نمونے:

ہم پہلی بات دوبارہ کرتے ہیں: کہ صحیفہ علی رضی اللہ عنہ اور صحیفہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو حدیث لکھی گئی وہ کوئی تھوڑی نہیں ہیں، مسند عبداللہ بن عمرو، مسند امام احمد بن حنبل میں بہت زیادہ موجود ہے۔ اس میں تکرار کے ساتھ روایات کی تعداد 627 تک پہنچتی ہے لیکن تکرار کے بغیر بھی بہت زیادہ تعداد باقی رہتی ہے۔ [1]

---

[1] المسند بتحقيق أحمد شاكر من (187/9) إلى (51/12).

اس میں دلالت ہے کہ بہت ساری احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لکھی گئیں، وہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا اسے لکھ لیا، ذیل میں چند وہ روایات ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں۔

1. حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، میں حفظ کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھے منع کر دیا، انھوں نے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتے ہیں وہ سب لکھ لیتے ہیں؟ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضب و رضا کی حالت میں کلام فرماتے ہیں، پس میں نے لکھنا بند کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھ سے حق کے سوا کچھ نہیں ظاہر ہوتا۔''[1]
2. عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنوں اسے لکھنے کی اجازت طلب کی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی، تو میں نے اسے لکھ لیا، عبداللہ رضی اللہ عنہ اس صحیفے کا نام ''الصادقہ'' رکھتے تھے۔
3. مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا: میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ دیکھا، میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ الصادقہ ہے، اس میں جو ہے میں نے اسے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

صحیفہ کی اصل مکمل صورت:

صحیفہ علی رضی اللہ عنہ روایات کثیرہ کے باوجود تقریباً تمام کتب السنہ میں منتشر ہیں، بلکہ کتب فقہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ بظاہر وہ چھوٹی ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقت اس طرح نہیں ہے؛ کیوں کہ ان میں بڑے موضوعات کی طرف اشارات ہیں، ان میں فرائض صدقہ ہیں، ان میں فرائض کے تنوع و تفریعات کی تفصیل ہے، جیسا کہ ہم کتاب ابی بکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پاتے ہیں۔ ہم اس صحیفہ کو کتب السنہ کی سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری سے پیش کریں گے ایسی صحیح صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کتابت سنت اور استکمال صورت پر دلالت کرے کہ یہ پر صحیفہ علی رضی اللہ عنہ اسی صورت میں تھا۔

---

[1] سنن أبو داود، رقم: 3646، سنن الدارمی: 125/1، مستدرك الحاكم: 105/1-106، مسند احمد: 15/10۔ احمد شاکر نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

((عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی اللہ عنہ كَتَبَ لَهُ هَذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ . هَذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، وَالَّتِي أَمَرَ اللَّهُ بِهَا رَسُولَهُ، فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا، وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ: فِي كُلِّ أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُونَهَا مِنَ الْغَنَمِ، مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ، إِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثَى، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِينَ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ أُنْثَى، فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِينَ إِلَى سِتِّينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْجَمَلِ، فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَسِتِّينَ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ فَفِيهَا جَذَعَةٌ، فَإِذَا بَلَغَتْ يَعْنِي سِتًّا وَسَبْعِينَ إِلَى تِسْعِينَ فَفِيهَا بِنْتَا لَبُونٍ، فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدَى وَتِسْعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِيهَا حِقَّتَانِ طَرُوقَتَا الْجَمَلِ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ، وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ مِنَ الْإِبِلِ فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا، فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ فَفِيهَا شَاةٌ، وَفِي صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِي سَائِمَتِهَا إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِينَ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ: شَاةٌ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ إِلَى مِائَتَيْنِ: شَاتَانِ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيهَا ثَلَاثٌ، فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ، فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ أَرْبَعِينَ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا، وَفِي الرِّقَّةِ رُبْعُ الْعُشْرِ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعِينَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا.))[1]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں بحرین کی طرف بھیجا تو ان کے لیے کتاب تحریر کی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ فریضہ صدقہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض قرار دیا۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا۔ پس جس مسلمان سے اس کی مقررہ

[1] صحیح بخاری: (2/123-124) (24) کتاب الزکاۃ، (38) باب زکاۃ الغنم۔ عن طریق عبداللہ بن المثنی الأنصاری عن ثمامۃ بن عبداللہ بن أنس عنہ بہ.

صورت کے مطابق مطالبہ کیا جائے تو وہ اسے ادا کرے اور جس سے اس کی مقررہ صورت سے زیادہ مانگا جائے تو وہ ادا نہ کرے؛ چوبیس یا اس سے کم اونٹوں کی صورت میں ہر پانچ کے بعد ایک بکری، جب پچیس سے پینتیس تک پہنچ جائیں تو ان پر مادہ بنت مخاض (ایک سال اونٹنی کا بچہ جو دوسرے سال کو لگ جائے)، جب چھتیس سے پینتالیس تک پہنچ جائیں تو ان پر مادہ بنت لبون (تیسرے سال کا اونٹنی کا بچہ)، جب چھیالیس سے ساٹھ تک پہنچ جائیں تو ان پر حِقہ (چوتھے سال والا نر اونٹ)، جب اکسٹھ سے پچھتّر تک پہنچ جائیں تو ان پر جذعہ (پانچویں سال کا مادہ اونٹ)، جب وہ چھہتر سے نوے تک پہنچ جائیں تو ان پر بنت لبون (تیسرے سال والے اونٹنی کے دو بچے)، جب وہ اکانوے سے ایک سو بیس تک پہنچ جائیں تو ان پر دو حقے (چار سال والے دو نر اونٹ)، جب ایک سو بیس سے زائد ہو جائیں تو پھر ہر چالیس پر ایک بنت لبون (تین سالہ اونٹنی کا بچہ) اور ہر پچاس پر ایک حقہ (چار سالہ نر اونٹنی کا بچہ)۔ جب کسی کے پاس صرف چار اونٹ ہوں تو ان پر کوئی زکاۃ نہیں مگر یہ کہ ان کا مالک چاہے، جب وہ پانچ ہو جائیں تو ان پر ایک بکری ہے۔ آزادانہ چرنے والی بکریوں کی زکاۃ جب وہ چالیس سے ایک سو بیس تک ہوں، تو ان پر ایک بکری ہے، جب وہ ایک سو بیس سے بڑھ کر دو سو بکریاں ہو جائیں تو پھر ان پر دو بکریاں زکاۃ ہے، جب وہ تین سو تک بڑھ جائیں تو ان پر تین بکریاں زکاۃ ہے، پس جب وہ تین سو زائد ہو جائیں تو پھر ہر سو پر ایک بکری ہے۔ جب آدمی کو آزادانہ چرنے والی بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک بھی کم ہو تو ان پر کوئی زکاۃ واجب نہیں مگر یہ کہ ان کا مالک چاہے۔ چاندی پر چالیسواں حصہ ہے، جب وہ ایک سو نوے ہوں تو ان پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی مگر یہ کہ ان کا مالک چاہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کتاب میں دوسری جگہ باب قائم کیا ہے۔

"باب لا تؤخذ الصدقة من هرمة ولا ذات عوار ولا تيس إلا ما شاء المصدق ."[1]

''زکاۃ میں انتہائی بوڑھا جانور دیا جائے گا نہ کوئی عیب دار اور نہ ہی افزائش نسل اولاد ریوڑ کا بکرا (عرف عام میں سانڈھ) مگر جو زکاۃ وصول کرنے والا چاہے۔''

[1] صحیح بخاری: 124/2 (24) کتاب الزکاة.

ایک اور باب یوں قائم کیا ہے:

"باب لا يجمع بين متفرق ولا يفرّق بين مجتمع ." [1]

''صدقے / زکاۃ کے ڈر سے متفرق مال کو اکٹھا اور اکٹھے کو جدا نہ کیا جائے گا۔''

ایک اور باب میں یوں:

"باب ما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية ."

''اور جو مال دو شراکت داروں کا ہو وہ دونوں (زکاۃ کی ادائیگی کے بعد) آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیں۔''

صحیفہ علی رضی اللہ عنہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں دیتوں اور زخموں کے احکامات ہیں:

ہم اس میں سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر سے ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام لکھا اور آل عمرو بن حزم نے اسے نقل کیا؛ کیوں کہ ان کے باپ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط دے کر بھیجا تھا۔

اور اس تحریر میں فرائض (ان میں سے فرائض صدقہ)، سنن اور دیتیں بھی تھیں۔

ہم اختصار کے ساتھ بیان کریں گے جو دیات و جراحات اس میں بیان ہوئے ہیں، اور وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ بھی صحیفہ علی رضی اللہ عنہ میں تھے۔ ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عن ابیہ، عن جدہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے نام ایک تحریر لکھوائی ......

اس تحریر میں تھا:

"أَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا عَنْ بَيِّنَةٍ فَإِنَّهُ قَوَدٌ إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُوْلِ، وَأَنَّ فِي النَّفْسِ الدِّيَةُ، مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوْعِبَ جَدْعَهُ الدِّيَةُ، وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ، وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةِ، وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمَامُوْمَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمَنَقَّلَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي كُلِّ أَصْبُعٍ مِنَ الْأَصَابِعِ مِنَ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ

[1] صحيح بخارى: 122/2 (24)، كتاب الزكاة.

الْـإِبِـلِ ، وَفِـيْ الْمَوضَّحَةِ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ، وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِيْنَارٍ . "[1]

''جس نے کسی مومن کو بلاوجہ قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا الّا یہ کہ مقتول کے وارث راضی ہو جائیں (کہ اسے معاف کر دیں)، ایک جان کی دیت سو اونٹ ہے، جب ناک پوری کٹ جائے تو اس پر پوری دیت ہے، زبان میں دیت ہے، خصیوں میں دیت ہے، آلۂ تناسل میں دیت ہے، پیٹھ میں دیت ہے، دونوں آنکھوں میں دیت ہے، ایک ٹانگ میں نصف دیت ہے، ایسا زخم جو دماغ کی اصل تک پہنچ جائے اس میں تہائی دیت ہے، پیٹ تک نیچے والے زخم کی تہائی دیت ہے۔ ہڈی ٹوٹ کر اپنی جگہ سے منتقل ہو جائے تو اس میں پندرہ اونٹ ہیں، ہاتھ اور پاؤں کی ہر اُنگلی میں دس اونٹ ہیں، دانت کی دیت پانچ اونٹ ہیں۔ ایسا زخم جس سے ہڈی نظر آنے لگے اس میں پانچ اونٹ ہیں، مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار دیت ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: "وَفِـيْ الْـعَيْنِ خَمْسُوْنَ ، وَفِي الْيَدِ خَمْسُوْنَ" ''آنکھ میں پچاس اونٹ اور ہاتھ کی دیت پچاس اونٹ ہیں۔''[2]

اس میں بیان کردہ روایات سے ہمارے لیے ممکن ہے کہ سمجھ جائیں کہ اس صحیفے میں کیا ہے۔

ہم اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ صحیفہ اس بات پر بہترین دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بہت سی سنن یعنی احادیث لکھی گئیں۔

ہم صحیفے کے مطالعے کی سرگرمیوں کے مراکز سے ایک دوسرے میدان کی طرف منتقل ہوتے ہیں، اور وہ ہے: اس کی فقہ کا مطالعہ، اور اس سے مستنبط احکامات کا میدان۔



[1] السنن الکبری للبیهقی : 4/89-90 .

[2] الموطا : 849/2 (43) کتاب العقول ، (1) باب ذکر العقول .

فصل: 4

فقه الصحيفة

صحیفہ میں مختلف موضوعات کو جمع کیا گیا ہے، ان میں سے بعض تو تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں، اور بعض کی طرف اس کی روایات نے اشارہ کر دیا ہے کہ وہ اس میں موجود ہیں:

وہ موضوع جو اس میں تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں:

1. حرم مدینہ۔
2. مسلمانوں کا عہد و پیمان اور ان کی امان۔
3. مسلمانوں کے خون اور ان کی جانیں برابر اہمیت کی حامل ہیں۔
4. مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کرنا۔
5. قیدی کو چھڑانا۔
6. بعض کبیرہ گناہ اور ان کی سزا۔

جیسا کہ بعض روایات نے اشارہ کیا ہے کہ وہ (موضوع) اس میں ہیں۔

7. دیات (دیتیں) اور جراحات (زخم)۔
8. فرائض صدقہ۔

ہم ان آخری دو موضوعات پر معروضات پیش نہیں کر سکیں گے؛ کیوں کہ ان دونوں میں کوئی تفصیل نہیں ملی، ہم نے صرف اس پر اکتفا کیا ہے جو ان دونوں میں رسول اللہ ﷺ سے مکتوب ہے جسے ہم کتاب ابی بکر اور کتاب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہما کے حوالے سے فصل سابق میں پیش کر چکے ہیں۔



(1) حرم مدینہ

حرم مدینہ کی حدود:

صحیفہ میں حرم مدینہ کی شمال کی جانب سے جبل ثور اور جنوب کی جانب سے جبل عیر سے حد بندی کی گئی ہے۔ دیگر احادیث میں بیان ہوا جو مشرق ومغرب کی جانب سے شرقی وغربی دو کالے پہاڑوں کے ذریعے حرم مدینہ کی حد بندی کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حرم مدینہ کو بارہ میل کی مسافت تک ممنوعہ علاقہ قرار دیا ہے۔ [1]

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: دو کالے پہاڑوں کے درمیان جو علاقہ ہے وہ حرم/حرام ہے، مربع برید، اسی طرح امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ [2]

اس حد بندی کی حکمت:

اس حد بندی کی تعیین کی وجہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی امر ربانی ہے، اور روحانی راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان حدود میں پھیلا رکھا ہے، اور اب بھی مشاہدہ کرنے والے بتاتے ہیں کہ ہم حرم میں اور اس کے رہنے والوں میں اس کی حدود تک انوار پھوٹتے دیکھتے ہیں، وہاں سے نورانی چشمے جاری ہوتے ہیں، اور یہ حرمین میں ہے۔ پس ان حقائق باطنہ پر احکام ظاہرہ مرتب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آگ بھی حرم کی حد تک پہنچی تو وہ بجھ گئی۔

یا پھر یہ امر الٰہی ربانی کی رُو سے ہوگا جس کا ہم ادراک نہیں کر سکتے، اس لیے کہ بشری عقول نبوت سے ملنے والے احکام کے معانی کے ادراک سے قاصر ہیں، وہ تائید وتسدید کے وقت ان انوار کے مظاہر کو ظاہر کرتا ہے۔ [3]

حرم مدینہ کے لیے ظاہری احکام:

بعض روایات حدیث میں حرم مدینہ کا معنی بیان ہوا ہے، مجمل معنی یہ ہے کہ مدینہ کی بھی مکہ کی طرح ہے خاص حرمت ہے، اس میں بعض اُمور بجالانا جائز نہیں جو کہ غیر حرم میں جائز ہوتے ہیں، جو اس حرمت کو پامال

[1] صحیح مسلم: 1000/2 (15) کتاب الحج، (85) باب تفضیل المدینۃ.

[2] المغنی: 354/3.

[3] وفاء الوفاء: 1/72-73.

کرے گا وہ سزا پائے گا اور اس کی حرمت کو پامال کرنے کی وجہ سے ملامت کیا جائے گا۔

صحیفہ کی بعض روایات میں بعض اُمور کی وضاحت ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى فِيهَا مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ .))

''جس نے اس میں کسی بدعت کو ایجاد کیا یا کسی بدعتی شخص کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اس سے فرض قبول کیا جائے گا نہ نفل۔''

((لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمَنْ اَشَارَ بِهَا وَلَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرُهَا إِلَّا اَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ وَلَا يُحْمَلُ فِيهَا السَّلَاحَ .))

''اس کے درختوں کے پتے جھاڑے جائیں گے نہ اس کا شکار بھگایا جائے گا، اس میں گری پڑی چیز نہیں اُٹھائی جائے گی الّا یہ کہ کوئی اعلان کرنے کے لیے اُٹھائے، اس کے درخت نہیں کاٹے جائیں گے الّا یہ کہ آدمی اپنا اونٹ چرانے کے لیے کوئی درخت کاٹ لے، اور اس میں اسلحہ نہیں اُٹھایا جائے گا۔''

یہ حرمت جو مدینہ کی ہے، یہی حرمت مکہ کی بھی ہے، حدیث ابوشاہ جو کہ پہلے بیان ہوچکی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے لکھنے کا حکم فرمایا:

((أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ، وَلَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ .))[1]

''سنو! کہ یہ اس وقت حرام ہے، اس کے کانٹے جھاڑے جائیں نہ درخت کاٹے جائیں اور نہ ہی اس میں گری ہوئی چیز اُٹھائی جائے الّا یہ کہ کوئی اس کا اعلان کرنے کی غرض سے اُٹھالے۔''

ایک اور حدیث میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ .))[2]

---

[1] صحيح بخاری: 36/1 (3) كتاب العلم، (39) باب كتابة العلم.

[2] صحيح بخاری: 213/2 (28)، جزاء الصيد (9) باب لاينفر صيد الحرم.

''اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا وہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال تھا نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا، وہ میرے لیے دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال کیا گیا، اس کا گھاس کاٹا جائے اور نہ پتے جھاڑے جائیں، اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس میں گری پڑی چیز کو اُٹھایا جائے گا سوائے اس کے جو اس کی پہچان کرانے کے لیے اُٹھائے۔''

پس حرمت مدینہ وہ فی نفسہا حرمت مکہ ہے، یہ وہی ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی، بلکہ دعا کی کہ مکہ کو جو فضل و خیر حاصل ہے اسی مثل مدینہ کے لیے ہو۔

((إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ الْمَدِينَةَ .)) ❶

''ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا، میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّى أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا مِثْلَ مَا حَرَّمَ بِهِ إِبْرَاهِيمَ مَكَّةَ .))

''اے اللہ! میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کو حرام قرار دیتا ہوں، جیسے ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔''

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِينَةِ ضِعْفَىْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ .)) ❷

''اے اللہ! تو نے جس قدر برکت مکہ کو عطا فرمائی ہے اس سے دوگنا برکت مدینہ کو عطا فرما۔''

مستنبط احکامات:

حنابلہ، مالکیہ اور شافعیہ نے اس حدیث کے ظاہر سے مدینہ کے شکار کی حرمت، اس کے درخت اور گھاس کاٹنے کی حرمت کے احکام اخذ کیے ہیں۔

ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ نے کہا: مدینہ کا شکار، اس کے درخت اور اس کا گھاس اکھاڑنا حرام قرار دیا گیا ہے، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔

❶ صحيح مسلم : 991/2 (15) كتاب الحج ، (15) باب فضل المدينة وتحريم صيدها وشجرها ، عن طريق ابن الهاد عن أبى بكر بن محمد بن عبدالله بن عمرو بن عثمان ، عن رافع بن خديج عن رسول الله ﷺ .

❷ صحيح بخارى : 224/2 (29) كتاب فضائل المدينة (10) باب المدينة تنفى الخبث ، من طريق يونس عن ابن شهاب عن أنس به .

اور کہا کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے علی رضی اللہ عنہ نے (صحیفہ میں) روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمَدِیْنَةُ حَرَمٌ مَا بَیْنَ ثَوْرٍ إِلَی عَیْرٍ .))

''ثور اور عَیر کے درمیان جو ہے وہ حرم مدینہ ہے۔''

پھر اسی پر اضافہ کرتے ہوئے کہا: ''ابو ہریرہ اور رافع اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی حرمت روایت کی ہے، ان کی احادیث (کی صحت) پر اتفاق ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے سعد، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا، یہ اس بیان کے عام ہونے کی دلیل ہے، وہ اخبار تحریم حرم (یعنی: حرم مکہ) سے کم درجہ روایت نہیں، انھوں نے اس روایت کو قبول کیا ہے، اور اس کے احکام کو ثابت قرار دیا ہے۔ [1]

ابن قدمہ رحمہ اللہ اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے سمجھا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فَلَوْ وَجَدْتُ الظِّبَاءَ مَا بَیْنَ لَابَتَیْهَا مَا ذَعَرْتُهَا .)) [2]

''اگر میں ان دو پہاڑوں کے درمیان (حدودِ حرم میں) ہرن دیکھ لوں تو میں اسے نہیں بھگاؤں گا۔''

ابو سعید اگر کسی شخص کے ہاتھ میں پرندہ دیکھتے تو وہ اسے اس کے ہاتھ سے آزاد کرا کرا سے چھوڑ دیتے تھے۔ [3]

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حرام نہیں قرار دیا جائے گا کیوں کہ اگر محرَّم ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے عمومی طور پر بیان فرماتے۔ اور اس میں حرم (حرم مکہ) کے شکار کی طرح جزا (بدلہ) واجب ہوتا۔ [4]

تو پھر حدیث کے متعلق ان کا کیا موقف ہے، جب کہ ان کے علاوہ دوسرے تینوں ائمہ رحمہم اللہ کے موقف کے بارے میں صریح ہے؟

احناف میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حرم مدینہ کی احادیث منسوخ ہیں۔ انھوں نے کہا: ہم نے تمام فقہاء امصار کو مدینے میں شکار اور خاردار درختوں کی حدیث پامال کرنے والے کے مال و متاع کو ترک کرنے پر پایا ہے، پس ہم نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ جو روایت کیا گیا ہے اس کے ترک پر ان کا اجماع صرف اس کے نسخ پر ان کے وقوف کی وجہ سے تھا، ان کے متعلق خلاف سنت کا گمان نہیں کیا جا سکتا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیوں کہ انھوں نے جو روایت کیا اور انھوں نے جو کہا اس پر وہ مطمئن ہیں، خاص طور پر جس پر انھوں نے اجماع

[1] المغنی: 3/253-254.

[2] صحیح مسلم: 2/1000 (15) کتاب الحج، (85) باب فضائل المدینة.

[3] صحیح مسلم: 2/1003 فی الکتاب والباب السابقین.

[4] المغنی: 3/353.

واتفاق کیا ہو، حاشاللہ (اللہ نہ کرے) کہ وہ اسے ترک کریں الّا یہ کہ اس کے مقابلے میں جو اس سے بہتر ہو، اور یہ ان کے ترک کرنے کی مثال جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مانعین زکاۃ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے: اس کے مال کا حصہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ واجبات سے ایک واجب ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طحاوی رحمہ اللہ کی اس نسخ حدیث والی حجت کے ساتھ ایک دوسری حجت کا اضافہ کیا ہے، اور وہ: یہ کہ وہ ابو عمیر کے قصے سے متعلق حدیث انس رضی اللہ عنہ سے متعارض ہے کہ ''نُغیر (پرندے) کا کیا بنا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات مدینہ میں ایک بچے سے مزاح کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ [2]

امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا: اگر وہاں (مدینہ) کا شکار حرام تھا تو پھر پرندے کو قید کرنا بھی جائز نہیں تھا۔ [3]

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ حدودِ حرم سے باہر کا شکار ہو، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے حدودِ حرم سے باہر شکار کیا اور پھر اسے مدینہ لے کر آیا تو حدیث ابو عمیر کے مطابق اس کا چھوڑنا لازم نہیں، اور یہ جمہور کا قول ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یہ احناف کے موقف پر رد نہیں؛ کیوں کہ ان کے نزدیک حدودِ حرم سے باہر کا شکار جب حرم میں داخل ہو جائے تو اس کا بھی حرم کا حکم ہوگا۔ لیکن انھوں نے کہا: اس بات کا احتمال ہے کہ ابو عمیر کا قصہ حکمِ تحریم سے پہلے کا ہو۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کی تیسری دلیل انھوں نے کہا: اس بات کا احتمال ہے کہ مدینہ کے شکار اور وہاں درخت کاٹنے کی ممانعت کا سبب اس کی طرف ہجرت ہو، کیوں کہ شکار اور درختوں کی بقا اس کی زینت میں اضافہ کرتی ہو، اور اس کی الفت کی طرف دعوت دیتی ہو؛ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قلعے گرانے سے منع فرمایا، کیوں کہ وہ زینت مدینہ کا سبب تھے، جب ہجرت ختم ہوگئی تو یہ حکم زائل ہوگیا۔ یعنی منسوخ ہوگیا۔ [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے رد کیا: انھوں نے جو کہا ہے وہ واضح نہیں؛ کیوں کہ نسخ تو کسی واضح دلیل ہی سے ثابت ہوتا ہے۔

بعض احناف کی چوتھی دلیل: تعمیرِ مسجد کے لیے کھجور کے درخت کاٹنے کے متعلق حدیث انس رضی اللہ عنہ سے استدلال کہ اگر ان کا کاٹنا حرام ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کرتے۔

[1] المعتصر من المختصر من مشكل الآثار : 201/1.

[2] صحيح بخاري : 119/7 (78) كتاب الأدب، (112) باب الكنية للصبى، وقبل أن يولد للرجل .

[3] فتح الباري : 83/4.

[4] فتح الباري : 83/3.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس پر تبصرہ و تعاقب کیا ہے: یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی وقت کا ہے، جب کہ تحریم مدینہ کی حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیبر سے واپسی کے بعد کی ہے۔ ❶

بہر حال وہ صحت حدیث پر طعن نہیں کرتے، بلکہ وہ اس کے صحیح ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن وہ ان کے ہاں منسوخ ہے۔

ہم دوبارہ ائمہ ثلاثہ کے موقف کی طرف جاتے ہیں اس کے بعد کہ انھوں نے حدیث پر عمل کو ثابت قرار دیا اور انھوں نے مدینہ کے شکار اور اس کے درخت کاٹنے کی حرمت کے موقف کو اپنایا۔ جو شخص (حرم مدینہ میں) ان اُمور میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا جس طرح حرم مکہ میں (ایسے کسی امر کے ارتکاب پر بدلہ دینا ہوتا ہے) تو کیا ایسے شخص کے ذمہ کوئی جزا یا بدلہ ہے؟ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اس کے ذمے کوئی جزا یا بدلہ نہیں، یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا موقف ہے؛ کیوں کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں احرام کے بغیر جانا جائز ہے، ''وج'' (مدینہ کے قریب جگہ) کے شکار کی طرح یہاں بھی کوئی جزا واجب نہیں ہوتی۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا: یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ سعد، زید بن ثابت اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم مدینہ کے شکار کو حرام سمجھتے تھے لیکن اس پر جزا کے قائل نہیں تھے، امام شافعی رحمہ اللہ نے القدیم میں اور ابن منذر رحمہ اللہ نے کہا، ابن ابی ذئب سے روایت کیا گیا کہ حرم مدینہ کی حدود میں شکار کرنے یا وہاں سے درخت کاٹنے پر بدلہ دینا واجب ہو جاتا ہے۔ ❷ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا ہے، لیکن امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: ان میں سے کسی بھی چیز کے ارتکاب پر بدلے کو واجب کرنا درست نہیں۔ ❸

امام شافعی رحمہ اللہ نے القدیم میں اور ابن حزم رحمہ اللہ نے بیان کیا: شکار کا ساز و سامان سلب کر لیا جائے گا، بس یہی بدلہ ہے: یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ کسی شخص نے مدینہ میں شکار کا جانور مار دیا تھا تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس شخص کا شکار کرنے والا ساز و سامان لے لیا، اور انھوں نے بیان کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ يَقْتُلُ صَيْدًا فِيْ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ فَاسْلُبُوْهُ.)) ❹

---

❶ فتح الباری: 83/4. ❷ المغنی: 354/3.

❸ شرح السنة: 310/7.

❹ المهذب: 129/1، شرح السنة: 310/7، المحلی: 263/7.

”تم جس شخص کو حرم مدینہ میں شکار کرتے ہوئے دیکھو تو اس کا ساز وسامان سلب کرلو۔“

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے: سعد رضی اللہ عنہ عقیق وادی میں واقع اپنے گھر کے لیے روانہ ہوئے، تو انھوں نے ایک غلام کو درخت کاٹتے ہوئے یا اس کے پتے جھاڑتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے اس کا سامان سلب کرلیا، جب سعد رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اس غلام کے مالک ان کے پاس آئے انھوں نے ان سے بات کی کہ انھوں نے ان کے غلام سے جو کچھ لیا وہ ان کے غلام یا انھیں واپس لوٹا دیں۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی پناہ! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحفہ محبت جو چیز مجھے عطا فرمائی ہے وہ میں تمھیں لوٹا دوں، پس انھوں نے انھیں وہ سامان لوٹانے سے انکار کردیا۔ [1]

ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سند سے سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

((مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ أَخَذَهُ سَلْبُهُ .)) [2]

”جو اس میں سے کوئی چیز (درخت وغیرہ) کاٹ لے تو جو شخص اسے پکڑ لے تو اس کا مال ومتاع اسی (پکڑنے والے) کا ہے۔“

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے بیان کیا: اس کے مطابق شکار کرنے والے یا اسے پکڑنے والے یا درخت کاٹنے والے کو جو شخص دیکھے تو وہ اس شکاری کا مال ومتاع لے سکتا ہے وہ اس کے کپڑے حتی کہ اس کی شلوار بھی لے سکتا ہے، اگر وہ اپنی سواری پر ہو تو اسے اس (سواری) کو لینے کا کوئی اختیار نہیں؛ کیوں کہ سواری کا جانور مال و متاع میں شامل نہیں۔ اس (سواری) کو صرف میدان جہاد میں کافر کو قتل کرنے والا ہی لے سکتا ہے کیوں کہ وہ ہمارے خلاف لڑائی میں اس سے مدد لیتا ہے اگر کوئی شخص اس کا ساز وسامان نہیں لیتا تو وہ صرف توبہ واستغفار ہی کرے گا۔ [3]

امام الرملی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے: وہ کافر کے سلب کی طرح ہے (یعنی کافر کا مال ومتاع اس کے قاتل کو ملے گا)۔

دوسرا قول ہے: اس (شکاری وغیرہ) کے صرف کپڑے۔

---

[1] صحیح مسلم: 993/2 (15) کتاب الحج (85)، باب فضل المدینة.

[2] سنن ابوداؤد: 533/2 (5) کتاب المناسك، (99) باب فی تحریم'

[3] المغنی: 355/3.

ایک قول یہ ہے کہ مسلوب کے پاس صرف ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑے چھوڑے جائیں گے۔ ❶

پھر الرملی رحمہ اللہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ سلب سالب کا حق ہے۔ (یعنی جو اس شخص کو پکڑے وہی اس کا مال ومتاع لے گا)۔ اور ایک قول یہ بھی ہے: وہ فقراء، مدینہ کا حق ہے، جب کہ ایک قول کے مطابق بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔

الرملی رحمہ اللہ نے اس کے بعد مدینے کے ایک حصے کا ذکر کیا کہ وہ حرم میں داخل ہے، لیکن اس پر اس کا حکم لاگو نہیں ہوگا، وہ (حصہ) نقیع یا بقیع ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدقہ یا جزیہ کے اونٹوں کے لیے چراگاہ قرار دیا، اس کے نباتات کی کوئی چیز ملکیت نہیں ہوگی، اس کا شکار حرام قرار نہیں دیا جائے گا، جس نے اسے تلف کیا تو اسے جرمانہ کیا جائے گا، کیوں کہ وہ وہاں سے ممنوع ہے، پس اسے اس کی قیمت کے برابر جرمانہ کیا جائے گا، اس کا مصرف جزیہ اور صدقہ کے اونٹوں کا مصرف ہوگا، ایک قول کے مطابق: بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔ ❷

مدینہ کے لقطہ (گری پڑی چیز کو اُٹھانے) کا حکم:

صحیفہ میں ہے کہ ''اس کی گری پڑی چیز کو اٹھانا حلال نہیں الا یہ کہ کوئی شخص اس کا اعلان کرے یا اس کا تعارف کرائے، حرمین کے علاوہ باقی شہروں میں لقطہ کا یہ حکم ہے کہ سال بھر تعارف کے بعد وہ چیز اس اُٹھانے والے کی ملکیت ہو جائے گی، رہا مدینہ تو اس کا لقطہ ملکیت نہیں ہوگا، صرف پہچان کراتے رہنے کی غرض ہی سے اُٹھایا جائے گا۔ امام شافعی، عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابوعبید رحمہم اللہ و دیگر فقہاء کا یہ موقف ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سال بھر پہچان کرانے کے بعد اسے ملکیت میں لینا جائز ہے، جیسا کہ دیگر شہروں کے متعلق ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض اصحاب کا بھی یہی موقف ہے۔ ❸

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ان اُمور کی وضاحت کی ہے جن کی وجہ سے حرم مدینہ، حرم مکہ سے حرمت کے لحاظ سے اور اس کے معدوم ہونے کے لحاظ سے الگ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عدم جزاء کے فرق کو بھی بیان کیا ہے:

انھوں نے بیان کیا: حرم مدینہ اور حرم مکہ کے درمیان دو چیزوں میں فرق کیا جاتا ہے:

❶: ضرورت کے مطابق حرم مدینہ سے تکیوں، ٹیک لگانے والی چیزوں اور کجاووں کے لیے اس کی گھاس وغیرہ لی جا سکتی ہے اور اسے چارے کے لیے بھی لیا جا سکتا ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے

---

❶ نهاية المحتاج: 357/3.
❷ نهاية المحتاج: 357/3.
❸ عون المعبود: 20/6.

روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی حرم قرار دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم کام کاج والے اور اونٹوں پر لاد کر پانی لانے والے لوگ ہیں، ہم اپنا علاقہ نہیں چھوڑ سکتے، ہمیں رخصت عنایت فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمارت کے ستونوں، تکیوں، شہتیروں اور ٹیک لگانے والی چیزوں کی رخصت ہے، ان کے علاوہ درخت کاٹے جائیں نہ ان کے پتے جھاڑے جائیں۔''

اسماعیل بن ابی اویس کہتے ہیں کہ خارجہ نے بیان کیا: ٹیک لگائی جانے والی اشیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اور اسے مکہ کی گھاس کے استثناء کی طرح مباح قرار دیا۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے صحیفے کے متن سے استثناء پر دلالت کیا ہے:

"إِلَّا أَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيْرَهُ."

''اِلّا یہ کہ آدمی اپنے اونٹ کے چارے کے لیے کوئی گھاس وغیرہ کاٹ لے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يُخْبَطُ وَلَا يُعْضَدُ حِمَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَلٰكِنْ يُهَشُّ هَشًّا رَفِيْقًا.)) [1]

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چراگاہ (محفوظ علاقے) سے پتے جھاڑے جائیں نہ اس کے درخت کاٹے جائیں، لیکن وہ ہلکے انداز سے پتے جھاڑ سکتا ہے۔''

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ان دلائل پر ان الفاظ سے بحث کی ہے: کیوں کہ مدینہ کے قرب میں درخت اور کھیتیاں ہیں، اگر ضرورت کے باوجود اس کی گھاس سے ہمیں روک دیا جاتا تو مکہ کے برعکس یہ ضرر کا باعث بن جاتا۔

2: جس نے مدینہ کے باہر شکار کیا، پھر اسے مدینہ لے آیا تو اس پر لازم نہیں کہ وہ اسے چھوڑ دے، امام احمد رحمہ اللہ نے اس پر نص پیش کی ہے؛ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ((يَا اَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ نُغَيْرٌ)) ابوعمیر! نغیر (پرندے) کا کیا بنا؟''

نُغیر ایک چھوٹا سا پرندہ ہے، پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (پرندے) کو مدینہ میں روک رکھنے کو مباح قرار دیا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند نہیں فرمایا، مکہ کی حرمت مدینے کی حرمت سے بڑھ کر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہاں صرف محرم (احرام والا شخص) ہی داخل ہوسکتا ہے۔

جب دونوں حرم اس بارے میں الگ ہیں تو وہ دونوں ایک اہم امر پر متفق ہیں اور تمام ائمہ کا اس پر اتفاق

---

[1] سنن ابوداؤد: 533/2 (5) کتاب المناسک۔ (99) باب في تحريم المدينة.

ہے کہ وہاں بگاڑ پیدا کرنا بڑی سزا کو مستوجب ہے:

((فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا أَوْ اَوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ .))

''جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اس سے کوئی نفل قبول کیا جائے گا نہ کوئی فرض۔''

اللہ تعالیٰ نے حرم مکہ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (الحج : 25)

''جو اس (مکہ) میں اللہ کی حدود کو تجاوز کرتے ہوئے ظلم کا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

ہم حرم مدینہ کے متعلق بات کو ختم کرتے ہیں ہم تکریم کے حوالے سے دیگر وجوہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات کا ذکر کرتے ہیں:

ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِيْنَتِنَا ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا ، اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِيْنَتِنَا ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَعَ الْبَرَكَةِ بَرَكَتَيْنِ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ ، مَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ شِعْبٌ وَلَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَيْهِ مَلَكَانِ يَحْرُسَانِهَا حَتّٰى تَقْدَمُوا إِلَيْهَا .))[1]

''اے اللہ! ہمارے مدینے میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت فرما، اے اللہ! ہمارے مُد (تقریباً دس چھٹانک اور یہ ربع صاع ہے) میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت فرما، اے اللہ! ہمارے مُد میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے مدینے میں برکت فرما، اے اللہ! اسے دہری برکت عطا فرما، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مدینے کی ہر گھاٹی اور پُر راہ پر دو فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں (اور یہ سلسلہ جاری ہے) حتیٰ کہ وہاں تک پہنچ جاؤ۔''

[1] صحيح مسلم : 1001/20-1002 (15) كتاب الحج، (86) باب الترغيب في سكنى المدينة والصبر على لأوائها وشدتها.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ .)) ❶

''مدینے کی داخلی راہوں پر فرشتے مامور ہیں، طاعون اور دجال وہاں داخل نہیں ہوسکتا۔''

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((وَلَا يَقْرَبُهَا -يعني المدينة- إِنْ شَاءَ اللّٰهُ الطَّاعُوْنُ، وَلَا الدَّجَّالُ، وَالْمَلَائِكَةُ يَحْرُسُوْنَهَا عَلَى أَنْقَابِهَا وَأَبْوَابِهَا .)) ❷

''ان شاء اللہ اس -یعنی مدینے- کے قریب طاعون اور دجال نہیں جاسکتا، اس کے داخلی راستوں اور دروازوں پر فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔''

مدینہ کی حرمت کا راز ہے -جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے بیان کیا-: مدینہ کی آباد کاری شعائر دین کی سربلندی ہے، یہ جو فائدہ ہے اس کا فائدہ ملت کی طرف لوٹتا ہے، ان مواضع ومقامات پر حاضری اور اس کی مسجد میں جانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دلاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہاں تھے۔ ❸

مدینہ کی عزت وتکریم اس لیے بھی ہے کہ اشرف المخلوقات صلوات اللہ وصلامہ علیہ وہاں تشریف فرما رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انوار وبرکات وہاں کی سرزمین پر پھیلی ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو حرم تعظیم قرار دیا تو اس نے اکرم الخلق اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی حرم قرار دیا، اس کے احکام لازم آئے ہیں اور اس کی برکات حاصل ہوتی ہیں، جو خیر وبرکت اور انوار منتشرہ اور عاجلہ وآجلہ اور امن وسلامتی یہاں پائی جاتی ہے وہ اس کے علاوہ کہیں اور میسر نہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو حارثہ کو اپنی جگہ قرار پکڑنے کی ترغیب دلائی، جیسا کہ اپنے اس فرمان سے اشارہ فرمایا: ''بنو حارثہ! میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم حرم (کی حدود) سے باہر نکل گئے ہو۔ پھر متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''نہیں، بلکہ تم اس کے اندر ہی ہو؛ اور اس سے باہر ہونے کی نسبت اس کے اندر ہونے کی خصوصیت کی خاطر ہے۔ ❹

اللہ تعالیٰ اس کی حدود اور شرف وکرم کو بڑھائے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کے لیے عزت والا گھر باقی رکھے۔

---

❶ صحيح مسلم: 1004/2 (15) كتاب الحج (87)، باب صيانة المدينة فى دخول الطاعون والدجال.

❷ المسند للإمام أحمد: 393/3.

❸ حجة الله البالغة: 66/2.

❹ وفاء الوفاء: 72/1.

(2) مسلمانوں کی امان ایک ہی ہے

صحیفہ میں مذکور ہے: "وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ."

''مسلمانوں کی امان ایک ہی ہے ان کا کوئی عام آدمی بھی امان دے سکتا ہے، جس نے کسی مسلمان سے بے وفائی/عہد شکنی کی تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اس سے نفل قبول کیا جائے گا نہ فرض۔''

یعنی ہر مسلمان کی امان کافر کے لیے صحیح ہے، جب وہ اسے امان دے دے تو پھر کسی دوسرے پر اس سے تعرض کرنا حرام ہے جب کوئی شخص ایسے کافر سے تعرض کرے جسے کسی مسلمان نے پناہ دی ہو تو وہ اس سزا کو پا کر رہے گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

علماء نے حدیث میں اس عبارت سے بہت سے احکام مستنبط کا ذکر کیے ہیں یا وہ احکام ذکر کیے ہیں جو اس کے معنی کے گرد گھومتے ہیں۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے الکافی میں بیان کیا: تمام کافروں اور فرداً فرداً کسی کافر سے عقد امان جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ (التوبة : 6)

''اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیں حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے۔''

صحیفہ میں مذکورہ حدیث سے استدلالات:

ہر عاقل بالغ آزاد مختار مسلمان کی امان درست ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ [1]

پس حدیث صحیفہ اس بارے میں عام ہے۔

---

[1] الکافی : 330/4.

عورت کی امان:

((عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُوْلُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ قَالَتْ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قُلْتُ: يَارَسُولَ اللَّهِ! زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانَ ابْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ. قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ وَذَاكَ ضُحًى.)) ❶

''ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو میں نے آپ ﷺ کو غسل کرتے ہوئے پایا، آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو پردہ کیے ہوئے تھیں، میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کیا: میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: خوش آمدید ام ہانی، جب آپ ﷺ غسل سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے آٹھ رکعتیں نماز ادا کی، میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میری ماں کے بیٹے علی (رضی اللہ عنہ) کا گمان ہے کہ وہ ایک آدمی کو قتل کر دیں گے۔ جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے، فلاں ابن ہبیرہ، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام ہانی! جسے آپ نے پناہ دی ہے اسے ہم نے بھی پناہ دے دی۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ چاشت کی نماز تھی۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر عورت مسلمانوں کے خلاف کسی کو پناہ دے دے تو جائز ہے۔ ❷

غلام کی پناہ:

اسی طرح عموم حدیث کے لحاظ سے غلام کی امان بھی درست ہے۔ ❸

---

❶ صحیح بخاری: 67/4 كتاب الجزية۔ (9) باب أمان النساء وجوارهن، رقم: 3171.

❷ سنن سعید بن منصور: 275/2.

❸ الكافی: 330/4، شرح السنة: 311/7.

فضیل بن زید الرقاشی نے بیان کیا: ہم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیا، ہم میں سے ایک غلام نے تیر پھینکا اور اس میں امان لکھی ہوئی تھی، پس وہ (قلعے والے) باہر نکل آئے، تو ہم نے کہا: تمھیں کس چیز نے باہر نکالا؟ تو انھوں نے کہا: تم نے ہمیں پناہ/ امان دی ہے، ہم نے کہا: وہ تو ایک غلام ہے، اس کا حکم نہیں چلتا، انھوں نے کہا: ہم تم میں سے غلام اور آزاد کو نہیں جانتے، پس ہم نے اس کے متعلق پوچھنے کے لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا، تو انھوں نے جواب لکھا: غلام بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہے اس کی پناہ تمھاری ہی پناہ ہے۔ ❶

یہ صحیفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ((وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ)) ''ان (مسلمانوں) کا عام آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔'' کی تطبیق ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر پناہ دینے والا غلام ہو تو وہ ان کا ادنی اور عام آدمی ہے، خواہ غلام کو قتال میں اس کے مالک کی طرف سے اجازت ملی ہو یا نہ ملی ہو۔ ❷

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے بیان کیا: غلام کا امان دینا درست نہیں الاّ یہ کہ اسے قتال/ جہاد کی اجازت دی گئی ہو۔ ❸ کیوں کہ اس پر جہاد واجب نہیں، پس بچے کی امان کی طرح درست نہیں، کیوں کہ اسے دارالکفر سے لایا گیا ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان کی مصلحت اور انتظامی اُمور دیکھ سکے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ غلام کے معاملے میں فرماتا ہے:

﴿لَّا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ (النحل: 75)

''وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔''

پس وہ امان پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے حدیث صحیفہ کے مطابق ان کے اس موقف کی تردید کی ہے، وہ مکلّف مسلمان ہے آزاد شخص کی طرح اس کی امان بھی درست ہے۔ ان دونوں حضرات نے امان میں غلام پر الزام ذکر کیا ہے کہ اس طرح دشمنوں پر منفعت اور انتظامی اُمور ظاہر ہو جائیں گے تو یہ موقف اس طرح درست نہیں ٹھہرتا کہ اسے قتال و جہاد کی اجازت جو دے دی گئی ہے تو پھر اس کی امان بھی درست ہے۔ ❹

---

❶ سنن سعید بن منصور (275/2): (284/2). ❷ شرح السنة: 311/7.

❸ إيثار الإنصاف: 240، فتح القدير: 462. ❹ المغني: 8/396-397.

حق بات یہ ہے کہ احناف غلام کے امان دینے کے جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ اسے قتال کی اجازت دی جائے، اسی طرح اس سے الزام زائل ہو جائے گا پس درست نہیں کہ یہ ان کے خلاف رد ہو۔

لیکن حدیث کے ظاہری الفاظ ان کے موقف کی تردید کرتے ہیں جیسا کہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے، اگرچہ وہ حدیث کے لفظ: "اَدْنَاھُمْ" کی تفسیر کرتے ہیں: ''ان میں سے جو اسلام کے زیادہ قریب ہے۔'' [1]

قیدی کی امان:

حنابلہ کے نزدیک مسلمان قیدی کا امان دینا درست ہے جب اس نے بلا اکراہ و جبر امان دی ہو۔ [2] کیوں کہ حدیث کے عموم میں وہ (قیدی) بھی شامل ہے، وہ مختار، مکلّف مسلمان ہے اور غیر اسیر یعنی آزاد کے مشابہ ہے اور اسی طرح دار الحرب میں اجیر اور تاجر کی امان، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

امام ثوری رحمہ اللہ نے کہا: ان میں سے کسی ایک کی امان درست نہیں، ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس رائے کا رد کیا ہے کیوں کہ حدیث کا عموم اسے جائز قرار دیتا ہے اور یہ جواز دیگر پر قیاس کرتے ہوئے درست ہے۔ [3]

رہا امتیاز کرنے والا بچہ تو امام مالک رحمہ اللہ نے بیان کیا، اور حنابلہ کی روایت کے مطابق عموم حدیث کے لحاظ سے اس کی امان درست ہے، کیوں کہ وہ امتیاز کرنے والا مسلمان ہے لہٰذا بالغ شخص کی طرح اس کی امان بھی درست ہے۔ [4]

امام ابوحنیفہ، امام شافعی رحمہما اللہ اور حنابلہ کی روایت کے مطابق اس کی امان درست نہیں؛ کیوں کہ وہ مکلّف نہیں، اس کی بات سے حکم لازم نہیں آتا اور مجنون کی طرح اس کا حکم کسی دوسرے پر بھی لازم نہیں آتا۔ [5]

جن کی امان بالاتفاق درست نہیں:

1. کافر کی امان درست نہیں خواہ وہ ذمی ہو؛ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیفہ کی حدیث میں امان کا حق مسلمانوں کو دیا ہے وہ ان کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں، کیوں کہ وہ حربی کی طرح اسلام اور مسلمانوں پر الزام تراشی کرنے والا ہے۔

---

[1] إيثار الإنصاف: 240-241.
[2] الكافي: 330/4.
[3] المغني: 397/8.
[4] المدونة: 400/1، الكافي: 331/4.
[5] روضة الطالبين: 279/10، المغني لابن قدامة: 397/8.

2 مجنون اور بچے کی امان درست نہیں؛ کیوں کہ اس کی بات معتبر نہیں، اس سے حکم ثابت نہیں ہوتا، اسی طرح نیند یا نشے یا غشی کی وجہ سے زائل العقل کی امان درست نہیں۔ [1]

3 کسی شخص کو مجبور کر دیا جائے تو اس کی پناہ بھی درست نہیں، کیوں کہ وہ ایسے شخص کی بات ہے جسے ناحق مجبور کیا گیا ہے پس وہ اقرار کی طرح درست نہیں۔ [2]

کتنے افراد تک امان دینا جائز ہے:

حکمران تمام کافروں کو امان دے سکتا ہے، کیوں کہ اس کی تمام مسلمانوں پر حکمرانی ہے اور تمام اہل اسلام کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری ہے۔ حکمران اپنے مدمقابل کو امان دے سکتا ہے؛ کیوں کہ ان کے بارے میں اسے اختیار حاصل ہے۔ [3]

مسلمانوں میں سے انفرادی طور پر کسی ایک اور دس افراد تک امان دینے کا حق حاصل ہے، اور کسی چھوٹے قلعے میں محصور لوگوں کو امان دے سکتا ہے، جیسا کہ غلام کی امان کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہو چکا ہے۔

کوئی مسلمان انفرادی طور پر کافروں کے کسی شہر کے باسیوں کو امان نہیں دے سکتا۔ [4] اور اسی مانند، کیوں کہ اس سے تو تعطیل جہاد کا نتیجہ نکلتا ہے، اور حکمران کے خلاف رائے زنی کرنا ہے۔ [5] پس ضابطہ یہ ہے کہ اس جانب میں باب جہاد بند نہیں کرنا چاہیے، پس جب تم کسی تعرض کے بغیر ایسے شخص سے جہاد کرو گے جسے امان دی گئی ہے تو امان نافذ ہو جائے گی؛ کیوں کہ جہاد شعار دین اور دعوت قہریہ ہے، وہ مسلمانوں کا سب سے بڑا عمل اور سب سے بڑا فائدہ ہے، لہٰذا کسی ایک کی انفرادی امان کے ذریعے اس کا رُک جانا ظاہر ہے۔ [6]

جسے پناہ دی گئی ہے خواہ وہ کافر ہو وہ دارالحرب میں ہو یا حالت قتال یا مڈبھیڑ میں ہو، یا پریشانی اور سختی میں، بلکہ امان درست رہے گی جب تک کافر رکاوٹ بن رہا ہو۔ رہا قیدی بن جانے کے بعد تو ہر کسی کے لیے انفرادی

---

1 المغنی : 398/8، روضة الطالبین : 279/10، الکافی : 30/4 .

2 روضة الطالبین : 279/10، الکافی : 331/4 .

3 الکافی : 331/4، وشرح السنة : 311/7 .

4 روضة الطالبین : 278/10، شرح السنة : 311/7 .

5 المغنی : 398/8، الکافی : 331/4 .

6 الکافی : 331/4 .

طور پر اسے پناہ اور امان دینا جائز نہیں، اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس پر احسان کرنا بھی جائز نہیں، اگر کوئی مسلمان کہے: میں تو اس سے پہلے اسے امان دے چکا تھا تو یہ بات قبول نہیں کی جائے گی، اس کے برعکس کہ جس کا امان دینا جائز ہے وہ اس وقت امان دینے کو برقرار رکھے تو پھر درست ہے، اگر کوئی جماعت یا گروہ کہے : ہم اسے پناہ دے چکے ہیں تو یہ بھی قبول نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ وہ اپنے فعل پر گواہی دے رہے ہیں، اگر کوئی ایک کہے: میں نے اسے امان دی تھی اور دو افراد اس کی گواہی دے دیں تو ان دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ [1]

حنابلہ میں سے ابوالخطاب رحمہ اللہ سمجھتے ہیں کہ کسی مسلمان فرد کا قیدی کو امان دینا درست ہے: کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کو ان کے قیدی بن جانے کے بعد امان دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امان کو جائز قرار دیا تھا۔ [2]

ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے اس موقف کو رد کیا ہے کیوں کہ زینب رضی اللہ عنہا کی امان کے بارے میں روایت صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحیح قرار پائی ہے۔ [3]

رہا امام (امیر، حکمران) تو اس کی قیدی کے لیے امان اس (قیدی) پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد درست ہوتی ہے۔ [4]

سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انھوں نے کہا: جب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تستر فتح کیا تو ہرمزان کو قیدی بنا کر لایا گیا، میں نے اسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاں پیش کیا تو انھوں نے اسے کہا: تیرا کیا خیال ہے؟ ہرمزان نے کہا: میں مردہ زبان کے ساتھ بات کروں یا زندہ زبان کے ساتھ؟ انھوں نے اسے فرمایا: بات کرو کوئی حرج نہیں، ہرمزان نے کہا: ہم اور آپ ایک جیسے عرب ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور تمھیں اکٹھا چھوڑ دیا تو تمھیں ہم پر کوئی فوقیت نہ تھی، پس جب اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہو گا تو پھر ہمیں تم پر کوئی فوقیت وطاقت نہ رہی، پس انھوں نے اسے قتل کر دینے کا حکم فرمایا۔ تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی کوئی دلیل نہیں، میں اسے امان دے چکا ہوں، انھوں نے فرمایا: ہرگز نہیں ...... میں نے کہا: امیر

---

[1] روضة الطالبين: 278/10.

[2] المغني: 398/8، اور یہ امام اوزاعی رحمہ اللہ سے بھی روایت کیا جاتا ہے۔

[3] المغني: 398/8.

[4] المصدر السابق: 398/8.

المؤمنین! اس کے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ انھوں نے فرمایا: تمھارا بُرا ہو اس کے براء بن مالک مجزأۃ بن ثور کو قتل کر دینے کے بعد مجھے اس سے شرم و حیا آتی ہے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اپنے بیان پر دلیل لائیں، تو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے انھیں کہا: بات کرو کوئی مضائقہ نہیں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دینے سے روک دیا، اس نے اسلام قبول کر لیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ہزار یا دو ہزار کا عطیہ پیش کیا۔ [1]

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے بیان کیا: امام/حکمران کا اس پر احسان ہوتا ہے، جب کہ امان اس سے کم تر ہے۔ [2]

جو شخص اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور شرائع اسلام کی معرفت حاصل کرنے کے لیے امان طلب کرے تو ضروری ہے کہ اسے امان دی جائے، پھر اسے اس کی محفوظ جگہ پہنچا دیا جائے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا: ہم اس موقف میں کوئی اختلاف نہیں جانتے، قتادہ، مکحول، اوزاعی اور شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے؛ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کے متعلق لوگوں کو خط لکھا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق ہے:

﴿ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾

(التوبة : 6)

''اگر کوئی مشرک شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی محفوظ جگہ پر پہنچا دو۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: قیامت کے دن تک۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا: اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر ان مشرکوں میں سے، جن سے حرمت والے مہینوں کے علاوہ قتال کرنے اور انھیں قتل کرنے کا میں نے آپ کو حکم دیا ہے، اگر کوئی شخص آپ سے امان طلب کرے تاکہ وہ آپ سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنے، اور وہ قرآن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا ہے، ''تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے پناہ دے دیں۔'' وہ بیان کرتے ہیں: آپ اسے امان دے دیں حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پڑھ کر سنائیں، ''پھر اسے اس کی محفوظ جگہ پہنچا دیں۔'' وہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں: پھر اس کے کلام اللہ سننے کے بعد اسے واپس لوٹا دیں اگر وہ اسلام قبول کرنے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام جو اسے پڑھ کر سنایا ہے اس سے نصیحت قبول

[1] سنن سعید بن منصور : 295/2.
[2] المغنی : 398/8.

کرنے سے انکار کر دے تو اسے محفوظ جگہ پہنچا دیا جائے۔ ﴿مَاْمَنَهٗ﴾ یعنی اسے ایسی جگہ پہنچا دو جہاں وہ آپ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں سے محفوظ رہے حتی کہ وہ اپنے اور اپنی مشرک قوم کے گھر پہنچ جائے۔ ❶

قاصد اور امن طلب کرنے والے کے لیے امان کا معاہدہ کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ نبی ﷺ مشرکوں کے قاصدوں کو امان دیا کرتے تھے، جب مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر قاصدوں کو قتل کرنا روا ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا...... کیوں کہ ضرورت اس کا تقاضا کرتی ہے؛ اس لیے کہ اگر ہم ان کے قاصدوں کو قتل کریں گے تو وہ ہمارے قاصدوں کو قتل کر دیں گے، اس طرح خط و کتابت کی مصلحت ختم ہو جائے گی۔ ان دونوں میں سے ایک کے لیے امان کا معاہدہ جائز ہے خواہ مطلق ہو یا مقید نیز وہ طویل مدت کے لیے ہو یا کم مدت کے لیے ہو۔ ❷

شروط امان:

حنابلہ میں سے علامہ البہوتی رحمہ اللہ نے بعض شروط امان ذکر کی ہیں، ان میں سے یہ ہے کہ کفار کے امان دینے سے ہمیں کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، نیز اس کی مدت دس سال سے زیادہ نہیں ہوگی، اگر زیادہ ہوگی تو درست نہیں۔ ❸

امان دینے والے الفاظ:

امان ہر اس لفظ سے منعقد ہو جائے گی جو غرض و غایت کے لیے مفید ہو، وہ صریح ہو یا کنایۃً ہو۔

صریح کے یہ الفاظ ہوں گے: میں نے تمھیں پناہ دی، یا تم پناہ دیے گئے ہو، یا میں نے تمھیں امان دی، یا تم امان میں ہو، یا تم میری امان میں ہو، یا تم پر کوئی حرج نہیں، یا تم پر کوئی خوف نہیں، یا تم ڈرو نہیں۔ یا تم گھبراؤ نہیں، یا عجمی زبان کے الفاظ استعمال کرے۔ ((مَتْرس)) یعنی: امان، اور کتابت کے ذریعے جیسا کہ: تم اپنی پسندیدہ حالت پر ہو، یا جس طرح تم چاہو رہو۔

امان پیغام رسانی اور تحریر (خط و کتابت) کے ذریعے بھی منعقد ہو جاتی ہے، خواہ قاصد مسلمان ہو یا کافر، اور جو شخص بیان کرنے پر قادر ہو اس کی طرف سے سمجھ آ جانے والا اشارہ بھی امان منعقد کر دیتا ہے۔

جس کافر شخص کو امان دی گئی ہو اسے علم ہونا ضروری ہے، اسے امان کی خبر پہنچانا بھی ضروری ہے، اگر اسے

---

❶ جامع البیان: 57/10. ❷ المغنی: 400/8.

❸ کشاف القناع: 104/3.

خبر نہ پہنچے تو پھر کوئی امان نہیں۔ [1]

عمومی/کلی طور پر امان دینا بھی درست ہے۔ جیسا کہ، یوں کہے: ''تم امان میں ہو۔'' اور شرط سے معلق کرنا بھی درست ہے، جیسا کہ کوئی کہے: جس نے اس طرح کیا تو وہ امان میں ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ آمِنٌ .)) [2]

''جو ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہے۔''

کافر کو امان دینے کی مشروعیت میں حکمت:

مصلحت کا امان تقاضا کرتی ہے؛ اس (کافر) کو اسلام کی طرف مائل کرنا، یا لشکر کے آرام کی خاطر، یا ان کے معاملے کی ترتیب کی خاطر یا منصوبہ بندی کی خاطر، اور دیگر اسباب کی خاطر جو امان عطا کرنے کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ [3]

ہم اس موضوع کو امیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس خطاب پر ختم کرتے ہیں جس میں وہ امان دینے کے بارے میں اہم اُمور کی تحدید و تعیین فرماتے ہیں:

عبدالرحمن بن غنم اشعری بیان کرتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمارے نام ایک خط لکھا، انھوں نے سعید بن عامر کے نام جو خط لکھا وہ ہمیں پڑھ کر سنایا گیا، جب کہ ہم قیساری کا محاصرہ کیے ہوئے تھے: کہ تم میں سے کوئی آزاد ہو یا غلام اگر وہ تمھارے کسی دشمن کو امان دے دے تو وہ امان میں ہے، جب وہ کسی ایسے شخص جس سے تم اپنے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کرتے ہو اس کو امان دے دے تو اسے بھی امان حاصل ہو جائے گی حتی کہ تم اسے اس کی محفوظ جگہ پہنچا دو یا وہ تمھارے ہاں قیام کرے، اگر تمھیں روک دیا جائے کہ کوئی کسی کو امان نہ دے اور تم میں سے کسی کو اس حکم کا علم نہ ہو یا وہ بھول جائے، یا وہ نہ جانتا ہو، یا وہ نافرمانی کرے اور ان میں سے کسی کو امان دے دے تو اس وجہ سے کہ تم نے اسے منع کیا تھا تمھارے لیے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں، لہٰذا اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو، الّا یہ کہ وہ تمھارے ہاں قیام کرے۔ تم اپنی غلطی دوسرے لوگوں پر نہ ڈالو، تم تو اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہو، اگر تم میں سے کوئی شخص ان میں سے کسی شخص کی طرف اشارہ کرے کہ آؤ

[1] روضۃ الطالبین: 279/10.
[2] کشاف القناع: 104/3.
[3] روضۃ الطالبین: 278/10.

میں تم سے قتال کروں، وہ اس بات کو سمجھے بغیر آ جائے تو تمھارے لیے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں حتی کہ تم اسے اس کی محفوظ جگہ پہنچا دو، الاّ یہ کہ وہ تمھارے ہاں قیام کرلے۔ جب کوئی شخص اطمینان کے ساتھ تمھاری طرف آ جائے اور تم اسے پکڑ لو تو بھی تمھارے لیے اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں۔ اگر تم جانتے ہو کہ وہ عمداً تمھارے پاس آیا ہے۔ پس اگر تمھیں اس بارے میں شک ہو، اور تمھیں گمان ہو کہ وہ تمھارے پاس آیا ہے اور تمھیں اس کا یقین نہ ہو تو اسے اس کی محفوظ جگہ نہ لوٹاؤ اور اس پر جزیہ لاگو کرو۔ اگر تم اپنی فوج میں کسی شخص کو پاؤ کہ اس نے اپنے بارے تمھیں نہ بتایا ہو حتی کہ تم اس پر قابو پا لو تو اس کے لیے کوئی امان نہیں، پس تم اس کے بارے میں وہ فیصلہ کرو جو مسلمانوں کے مفاد میں بہتر ہو۔ [1]



[1] المدونة : 400/1.

(3) مسلمانوں کے خون اور جانیں برابر ہیں

صحیفہ میں روایت ہے: ((اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ)) ''مومنوں کے خون برابر ہیں۔''
اس سے مراد یہ ہے کہ قصاص و بدلہ خون میں مسلمانوں کے خون برابر ہیں، ان میں سے معزز شخص سے نچلے درجے کے شخص کا اور کبیر کے مقابلے میں صغیر سے بدلہ و قصاص لیا جائے گا، جاہل کے مقابلے میں جاہل اورعورت کے مقابلے میں مرد سے بدلہ لیا جائے گا......آخر تک۔

یہاں کچھ مسائل ہیں جن کے حکم بارے میں علماء کا اتفاق ہے جن پر اس حدیث شریف کی عبارت کا عموم دلالت کرتا ہے، جب کہ بعض دیگر مسائل پر اختلاف بھی ہے جو عموم سے ماخوذ ہیں اور وہ بھی ماخوذ ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ عموم مخصص ہے۔

1:......پہلی قسم: ہم نے ذکر کیا کہ معزز شخص سے نچلے درجے کے شخص، کبیر سے صغیر اور عالم سے جاہل شخص کا قصاص لیا جائے گا۔ اس سے اخذ کیا جاتا ہے کہ قصاص حکمرانوں، عمال اور ان کی رعیت کے درمیان نافذ ہوتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے قرآنی آیات اور احادیث کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے بیان کیا: اس لیے کہ مومنوں کے خون برابر ہیں۔ پھر کہا: ہم اس بارے میں علماء کا اختلاف نہیں جانتے، ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص سے، جس نے ایک عامل (سرکاری اہل کار، گورنر) کے متعلق ان سے شکایت کی کہ اس نے ازراہ ظلم اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہے، فرمایا: اگر میں سچا ہوا تو میں تمھیں اس سے بدلہ لے کر دوں گا، اور امیر عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنی ذات سے بدلہ دلوایا کرتے تھے۔ [1]

ابوفراس رحمہ اللہ نے بیان کیا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

((إِنِّـی لَمْ أَبْعَثْ عُمَّالِي لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ ، وَلَا لِيَأْخُذُوا أَمْوَالَكُمْ فَمَنْ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ فَـلْيَـرْفَعْهُ إِلَيَّ أُقِصُّهُ مِنْهُ . قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَدَّبَ بَعْضَ

1 المغنی : 663/7.

رَعِيَّتِهِ أَتُقِصُّهُ مِنْهُ، قَالَ: إِي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ أُقِصُّهُ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَقَصَّ مِنْ نَفْسِهِ .)) ❶

''میں اپنے گورنر اس لیے مقرر نہیں کرتا کہ وہ تم پر کوڑے برسائیں، اور وہ تمھارے اموال لے لیں، جس کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا جائے تو وہ اپنا معاملہ مجھ تک لائے ہیں اسے اس سے بدلہ دلاؤں گا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اگر کوئی شخص اپنی رعیت میں سے کسی شخص کی تادیب کرے تو آپ اس سے بھی بدلہ لیں گے؟ انھوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اس سے بھی بدلہ لوں گا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی ذات سے بدلہ دلوایا۔''

❷:...... دوسری قسم: جس میں اختلاف ہے۔

(الف): عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کرنا:

عام اہل علم کا بیان ہے: عورت کے بدلے میں مرد اور مرد کے بدلے میں عورت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ امام نخعی، شعبی، زہری، عمر بن عبدالعزیز، مالک، اہل مدینہ، شافعی، اسحاق اور اصحاب الرائے اور دیگر اہل علم کا یہی موقف ہے۔ ❶

ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (المائدة : 45)

''جان کے بدلے میں جان۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ (البقرة : 178)

''آزاد کے بدلے میں آزاد۔''

اور آپ ﷺ کا فرمان:

((اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ .))

''مومنوں کے خون برابر ہیں۔''

اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا جس نے انصار کی ایک جاریہ

❶ سنن ابوداؤد: 674/4. ❷ المغنی: 679/7.

(لڑکی، باندی) کا سر کچل دیا تھا۔

باقی نصوص کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ❶

امام مالک رحمہ اللہ نے المؤطا میں بیان کیا: مردوں اور عورتوں کے درمیان بھی قصاص ہونا چاہیے، یہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

﴿ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ ﴾ (المائدة: 45)

''اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بھی قصاص ہے۔''

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا: ﴿ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ﴾ کہ جان کے بدلے جان، آزاد مرد کے بدلے میں آزاد عورت، اور اس (مرد) کے زخم کے بدلے اس کا زخم۔ ❷

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: عورت کے بدلے مرد کو قتل کیا جائے گا، اور مرد کے وارثوں کو نصف دیت دی جائے گی۔ اسی طرح احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے، اور یہی حسن اور عطا رحمہما اللہ سے حکایت کیا گیا ہے، اور ان دونوں اہل علم کی سے جماعت کے قول جیسا بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے، پس جب مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا تو اس شخص کا بقیہ رہتا ہے تو وہ (بقیہ) پورا پورا وصول کر لیا جائے گا۔ ❸

(ب): کسی کے غلام کے بدلے میں آزاد شخص کو قتل کرنا:

اصحاب الرائے، ثوری، قتادہ اور نخعی رحمہم اللہ کا یہ موقف ہے، نیز سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کیا جائے گا، اس موقف پر آیات قرآنیہ اور احادیث کا عموم دلالت کرتا ہے، ان احادیث وروایات میں سے جو صحیفے میں ذکر ہوا ہے:

((اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ .))

❶ المغنی: 679/7.

❷ المؤطا: 873/2 (43) كتاب العقول (21) باب القصاص فی القتل.

❸ المغنی: 679/7.

''مومنوں کے خون برابر ہیں۔''

کیوں غلام بھی ایک معصوم شخص ہے اور وہ آزاد شخص کے مشابہ ہے۔ [1]

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بیان کیا: آزاد شخص تو کسی دوسرے شخص کے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا، یہ حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ ہمارے پاس ایسی نصوص ہیں جو آزاد اور غلام کے درمیان فرق کو ختم کر کے موجب قصاص پر دلالت کرتی ہیں۔ [2]

بعض علماء کا یہ موقف ہے کہ غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہ ابوبکر عمر، علی، زید اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔ حسن، عطاء، عمر بن عبدالعزیز، عکرمہ، عمرو بن دینار، مالک، شافعی، اسحاق، ابوثور اور احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ [3]

امام مالک رحمہ اللہ نے الموطا (874/2) میں بیان کیا: زخموں میں آزاد اور غلام کے درمیان کسی چیز میں قصاص نہیں، جب غلام آزاد شخص کو عمداً قتل کر دے گا تو اسے قتل کیا جائے گا، جب کہ غلام کے بدلے میں آزاد شخص کو قتل نہیں کیا جائے گا خواہ اس نے اسے عمداً قتل کیا ہو، جو میں نے سنا ہے اس میں سے یہ بہترین موقف ہے۔

ان کی حجت و دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی اسناد سے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا:

((مِنَ السُّنَّةِ أَلَّا يُقْتَلُ حُرٌّ بِعَبْدٍ .)) [4]

''یہ سنت میں سے ہے کہ غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يُقْتَلُ حُرٌّ بِعَبْدٍ)) ''کسی آزاد شخص کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔'' [5]

اس لیے کہ اس کے کسی عضو کو اس کے کسی عضو کے بدلے میں قطع نہیں کیا جائے گا بایں ہمہ کہ وہ سلامتی میں مساوی ہیں، پس اس (آزاد) کو اس (غلام) کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا جس طرح باپ اپنے بیٹے

---

[1] المغنی : 679/7 .
[2] إيثار الإنصاف : 420 .
[3] المغنی : 658/7 .
[4] المغنی : 658/7، سنن الدارقطنی من طریق وکیع عن إسرائیل عن جابر عن عامر 133/3-134۔ کتاب الحدود والدیات .
[5] سنن الدارقطنی : 133/3۔ کتاب الحدود والدیات وغیرها .

کے ساتھ، اس لیے کہ غلام غلامی کی وجہ سے منقوص ہے پس اس کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا؛ جیسا کہ مکاتب جب اس کے پاس ادائیگی کے لیے پیسے ہوں۔ اس رائے کے حامل حضرات صحیفہ میں وارد حدیث کو چھوڑتے نہیں لیکن وہ اس کے عموم کی تخصیص کرتے ہیں۔ [1]

(ج): غلام کے بدلے مالک کو قتل کرنا:

نخعی اور داؤد رحمہما اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا، تاکہ دیگر عمومات جو کہ بیان ہو چکے ہیں کے حوالے سے مومنوں کے خون برابر ہوں۔

حسن عن سمرہ کی سند سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَهُ جَدَعْنَاهُ .))

''جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم (قصاص میں) اسے قتل کریں گے، اور جس نے اس کے کسی عضو (یا ناک) کو کاٹا تو ہم اس کا عضو کاٹیں گے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے، تابعین رحمہم اللہ میں سے بعض اہل علم: ان میں سے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے اس موقف کو اختیار کیا ہے۔

بعض اہل علم ان میں سے حسن بصری، عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ نے کہا ہے۔ آزاد اور غلام کے درمیان جان میں قصاص ہے نہ جان سے کم کسی چیز میں، یہ امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ کا قول ہے۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے: جب اس نے اپنے غلام کو قتل کیا تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن جب وہ اپنے علاوہ کسی اور کے غلام کو قتل کرے گا تو پھر اس کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا، یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ رحمہم اللہ کا موقف ہے۔ [2]

آراء میں اس اختلاف کے پیش نظر ہم نے غلام کے بدلے آزاد قتل کرنے کے حوالے سے دو مسئلے بنا دیے ہیں:

ایسے غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرنا جو اس کا (غلام) نہ ہو اور غلام کے بدلے اسے قتل کرنا جس کا وہ مالک ہے، بایں ہمہ ممکن ہے کہ یہ دونوں اس کے تحت آجائیں:

---

[1] المغنی: 658/7.

[2] سنن ترمذی: 26/4 (14) کتاب الدیات، (18) باب ماجاء فی الرجل یقتل عبده .

((قَتْلُ الْحُرِّ بِالْعَبْدِ .))

''غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کرنا۔''

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ غلام بھی ایک معصوم آدمی ہے اور وہ آزاد کے مشابہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک علماء کے ایک فریق نے ایک دوسرا مذہب و موقف اختیار کیا ہے۔ اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے انھیں ''اکثر اہل علم'' کا نام دیا ہے کہ غلام کے بدلے مالک کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ان کی دلیل وہی دلیل ہے جو مسئلہ سابقہ میں ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے دیگر دلائل کا اضافہ کیا ہے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا:

((لَا يُقَادُ الْمَمْلُوْكُ مِنْ مَوْلَاهُ وَالْوَالِدَيْنِ وَالِدِهِ لَأَقَدْتُهُ مِنْكَ .)) [1]

''مملوک کو اس کے مالک سے اور بیٹے کو اس کے والد سے قصاص نہیں دلایا جائے گا تو میں اسے تجھ سے بدلہ دلاتا۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سو کوڑے مارے، اسے سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور اس کا مسلمانوں کی لسٹ سے نام (اس کا حصہ) ختم کر دیا۔ [2]

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا:

''جس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا اسے سو کوڑے مارے جائیں گے، اور مسلمانوں سے اس کا حصہ ختم کر دیا جائے گا۔'' [3]

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے پہلی رائے والے اصحاب کا اس طرح رد کیا ہے کہ سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ثابت نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: حسن رحمہ اللہ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا، وہ تو ایک صحیفہ ہے...... حسن رحمہ اللہ نے تو سمرہ رضی اللہ عنہ سے صرف تین احادیث سنی ہیں اور یہ ان میں سے نہیں، کیوں کہ حسن رحمہ اللہ نے اس کے خلاف فتوی دیا ہے، وہ کہتے ہیں: غلام کے بدلے آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور انھوں نے کہا: جب مالک اپنے غلام کو قتل کر دے گا تو اسے کوڑے

---

[1] المغنی : 659/7. [2] المغنی 659/7.

[3] المغنی : 659/7.

مارے جائیں گے، ان کی یہ مخالفت ان کے ضعف پر دلالت کرتی ہے۔ ❶

لیکن فریق اول کی دلیل صرف حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں، ان کے پاس حدیث صحیفہ بھی ہے۔ اور آیات کریمہ بھی ہیں جو ان کے موقف پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

(د): والد کو اس کے بیٹے کے بدلے قتل کرنا:

جب والد اپنے بیٹے کو قتل کر دے گا تو اس کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا، حنابلہ میں سے ابن نافع، مالکیہ میں سے عبدالحکم اور شافعیہ میں سے ابن منذر رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے۔ ❷

جان کے قصاص کی دلیل قرآن کریم کی آیات کا ظاہر ہے:

﴿ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ﴾ (المائدۃ: 45)

''جان کے بدلے جان۔''

﴿ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ ﴾ (البقرۃ: 178)

''آزاد کے بدلے آزاد۔''

اور قصاص واجب کرنے والی احادیث ان میں سے:

((اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ .))

''مومنوں کے خون برابر ہیں۔''

کیوں کہ وہ دونوں اہل قصاص میں دو آزاد مسلمان ہیں، پس لازم ہے کہ دو اجنبیوں کی طرح ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے ساتھی (والد کو بیٹے اور بیٹے کو والد) کے بدلے قتل کیا جائے۔

ابن منذر رحمہ اللہ نے کہا: انھوں نے اس بارے میں احادیث روایت کی ہیں۔ ❸

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: اگر اس نے تلوار پھینک کر یا اس کی مانند کسی چیز سے اسے قتل کیا تو پھر اسے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، اگر اس نے اسے ذبح کیا ہے یا اسے قتل کیا ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اس کی فہمائش نہیں کی بلکہ اسے عمداً قتل کیا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ❹

علماء کی ایک کثیر تعداد نے کہا ہے: والد کو اس کے بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا چاہے اس سے کم

---

❶ المغنی: 659/7.
❷ المغنی: 667/7.
❸ المغنی: 666/7.
❹ المغنی: 666/7.

درجہ ہی۔

ربیعہ، ثوری، اوزاعی، شافعی، اسحاق، احمد اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ کا یہی موقف ہے۔ ❶

ان کی دلیل عمر بن خطاب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يُقْتَلُ وَالِدٌ بِوَلَدِهِ .)) ❷

''والد کو اس کے بیٹے کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔''

نیز اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيْكَ .))

''تم اور تمھارا مال تمھارے باپ کا ہے۔''

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا: یہ دلائل ان عمومات کی تخصیص کرتے ہیں جن سے پہلی رائے والے حضرات نے استدلال کیا ہے۔ ❸

اس بارے میں ماں، باپ کی طرح ہے۔ ❹

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا: مذہب حنبلی میں یہ صحیح ہے اور باپ سے قصاص ساقط کرنے والوں کا اس پر عمل ہے۔ ❺



---

❶ المغنی : 666/7 .

❷ المغنی : 666/7 .

❸ المغنی : 666/7 .

❹ متن الخرقی علی المغنی : 667/7 .

❺ المغنی : 667/7 .

(4) مسلمان کو کافر کے بدلے اور نہ کسی ذمی کو اس کی مدت عہد میں قتل کیا جائے گا

امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا: اس میں بیان واضح ہے کہ مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان میں سے مقتول خواہ ذمی ہو یا معاہد یا مستأمن (جسے امان دی گئی ہو) یا وہ کوئی بھی ہو؛ اس لیے کہ نکرہ میں نفی عمومی طور پر نفی جنس کفار کو شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ .))

''مسلمان کافر کا وارث بنے گا نہ کافر مسلمان کا۔''

پس ذمی اور مستأمن اس میں برابر ہیں۔ [1]

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم قتل کافر پر کسی مسلمان پر قصاص واجب قرار نہیں دیتے؛ وہ کافر کوئی بھی ہو، اور ان کا یہ موقف اس حدیث کے ظاہر کے مطابق ہے۔ [2]

رہے عمومات حدیث صحیفہ؛ ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ ''جان کے بدلے جان۔'' اور ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ ''آزاد کے بدلے آزاد۔'' تو وہ اس حدیث صحیفہ کے مخصوصات ہیں امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، بایں ہمہ جو اللہ عزوجل نے مومنوں اور کافروں کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ [3]

حضرت عمر، عثمان، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے اس موقف کو اختیار کیا ہے، اور یہی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ [4]

اور یہ عطاء، عکرمہ، حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا بھی مؤقف ہے۔ [5]

---

[1] معالم السنن على سنن أبی داود: 667/4.

[2] المغنی: 652/7.

[3] الأم: 92/6.

[4] المغنی: 653/7.

[5] معالم السنن: 667/4-668.

سفیان ثوری اور ابن شبرمہ رحمہما اللہ نے بھی یہی کہا ہے، اور مالک اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق رحمہم اللہ [1] و دیگر کا بھی یہی موقف ہے۔ [2]

اور حدیث آیات کریمہ کے عموم کی تخصیص کرنے والی ہے:

﴿وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ....﴾ (الشوری: 41-42)

''اور جو مظلومیت کے بعد بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝﴾

(الاسراء: 33)

''اور جو شخص بے گناہ مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ (قاتل کو) قتل کرنے میں حد سے نہ بڑھے، کیوں کہ اسے مدد دی گئی ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ﴾ (الحج: 60)

''پھر اس پر زیادتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرے گا۔''

اور اللہ عزوجل کا فرمان:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾

(البقرۃ: 178)

''اے ایمان والو! مقتول کا بدلہ لینا تم پر فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔''

اور اللہ عزوجل کا فرمان:

﴿النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ (المائدۃ: 45)

---

[1] الأم: 291/7.
[2] المغنی: 652/7.

’’اور جان کے بدلے جان۔‘‘

اور اس موقف کے متعلق ثابت شدہ احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں:

((وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ؛ فَإِمَّا يُودى ، وَإِمَا يُقَادُ .)) ❶

’’جس کا قتل ہو جائے؛ (اسے دو چیزوں میں اختیار ہے) چاہے تو اسے دیت دی جائے یا قصاص دلایا جائے۔‘‘

اس بارے میں حدیث آیات کریمہ کے لیے بطور مؤکد ہے:

﴿ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ ﴾ (القلم : 35-36)

’’کیا ہم مسلمانوں (اطاعت گزاروں) کو مجرموں کو برابر کر دیں گے تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔‘‘

اور اللہ عزوجل کا فرمان:

﴿ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ۝ ﴾ (السجدة : 18)

’’کیا جو شخص مومن ہے وہ فاسق شخص کی طرح ہو جائے گا نہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے۔‘‘

اور اللہ سبحان وتعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝ ﴾ (النساء : 141)

’’اور اللہ تعالیٰ ہرگز ایمان والوں کے مقابلہ میں کافروں کو فتح ونصرت کی کوئی راہ نہیں کھولے گا۔‘‘

کافر کفر کی وجہ سے منقوص ہے، مستأ من کی طرح اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس ساری بحث سے یقیناً یہ واضح ہوا کہ مسلمان اصلاً کسی چیز میں بھی کافر کی طرح نہیں، اور وہ کسی چیز میں اس کے مساوی بھی نہیں، تب وہ اس طرح باطل ہے کہ اس کا خون اس کے خون یا اس کے عضو اس کے عضو یا اس کی جلد اس کی جلد کے برابر ہو۔ پس یہ باطل ہے کہ کافر کا مومن سے قصاص لیا جائے یا اس سے جان سے کم تر کسی چیز میں اس سے قصاص لیا جائے۔ تب ان دونوں کے درمیان اصلاً کوئی برابری نہیں، جب اللہ عزوجل نے منع فرمادیا کہ وہ مومنوں کے مقابلے میں کافروں کو فتح ونصرت کی کوئی راہ نہیں کھولے گا تو یہ ضروری ہوا کہ کافر کے لیے اس مومن کے خلاف قصاص میں اصلاً کوئی راہ نہ کھولے۔ ❷

---

❶ المحلی : 253/10.

❷ المحلی : 352/10.

اس کا یہ معنی ومقصد نہیں کہ مسلمان سے کافر کا قصاص نہیں لیا جائے گا کہ اسے مناسب سزا نہیں دی جائے گی یہ تو ہر ضرر کا سبب بن جائے گا۔

ابن حزم رحمہ اللہ نے کہا: عمداً گناہ میں اس کی فہمائش کی جائے گی، اور اسے قید کیا جائے گا حتی کہ وہ اپنے ضرر سے رکنے کی توبہ کرلے۔ ❶

امام شعبی اور امام نخعی رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا، ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی موقف ہے۔ ❷

سبط ابن الجوزی رحمہ اللہ نے احناف کی رائے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: مسلمان کو قصاص میں ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا، یہ عمر، علی اور عمار رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ ❸

ان حضرات کا حدیث صحیفہ کے ظاہر کے متعلق موقف:

اس سے قبل کہ ہم ان حضرات کی حجت و دلیل واضح کریں ہم حدیث صحیفہ کے متعلق ان کے موقف کی وضاحت کرتے ہیں:

حق بات یہ ہے کہ وہ یہاں صحیفے میں موجود اس حدیث کو ترک نہیں کرتے، وہ تو یہ کہتے ہیں: نظم کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، گویا کہ انھوں نے کہا: مومن کو اور عہد والے کو اس کے عہد میں کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ❹

معنی یہ ہوگا کہ ان دونوں کو کفار میں سے ذمی کے بغیر کسی اور کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، رہا ذمی تو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ -حنفی- نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: ''حدیث علی رضی اللہ عنہ میں: ''مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا نہ عہد والے کو اس کے عہد میں۔'' کا یہ معنی نہیں جس پر تم نے اسے محمول کیا ہے، ورنہ غلط ہو گا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی نسبت اس سے بہت دور ہیں، اور اگر یوں ہوتا: ''مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی عہد والے کو اس کے عہد میں۔'' تو آپ کے الفاظ اس طرح نہیں ہوتے، بلکہ وہ تو اس طرح ہیں: ''اور نہ ہی عہد والا اپنے عہد میں۔'' ہم نے اس سے یہ جانا کہ عہد والا قصاص سے متعلق

---

❶ المحلی: 347/10.
❷ المبسوط: 131/26.
❸ إیثار الإنصاف: 417.
❹ معالم السنن: 141.

ہے، پس یہ آپ کے اس فرمان کی طرح ہو گیا: کسی مومن کو اور عہد والے کو اس کے عہد میں کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، ہم نے جان لیا کہ عہد والا کافر ہے۔ پس اس نے اس پر دلالت کیا کہ وہ کافر جس سے نبی ﷺ نے اس حدیث میں منع فرمایا کہ اس کے بدلے مومن کو قتل نہ کیا جائے وہ کافر مراد ہے جس کا کوئی عہد نہ ہو، یہ ان مسائل میں سے ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہیں: کہ مومن کو حربی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، اور یہ کہ عہد والا کافر اس کے لیے ذمہ وامان ہو گئی اسے بھی اس کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کے مطابق آثار میں کوئی تضاد نہیں۔ ❶

امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا: ہم قرآن پاک میں اس طرح کی بہت سی مثالیں پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ﴾

(الطلاق: 4)

”اور تمھاری عورتوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکیں، اگر تم کو شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور علی ہذا القیاس جن کو حیض آتا ہی نہیں۔“

تو اس کا معنی یہ ہے: ”وہ عورتیں جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہیں اور جن کو حیض آتا ہی نہیں، اگر تم کو شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔“ پس تقدیم وتاخیر ہے۔ ❷

پھر امام طحاوی رحمہ اللہ نے وضاحت کی کہ تاویل صحت پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح علی رضی اللہ عنہ جو کہ حدیث کے راوی ہیں انھوں نے اقرار کیا کہ عہد والے کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا، اور یہ اُس قصے میں ہے جسے عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ عبید اللہ بن عمر نے عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہرمزان اور جفینہ کو قتل کیا، جبکہ وہ دونوں معاہد تھے، اور ابولؤلو کی چھوٹی بیٹی کو جو کہ اسلام کا دعویٰ کرتی تھی قتل کیا، مہاجرین نے قتل عبید اللہ پر اتفاق کیا، علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ہیں، انھوں نے اس کو برا نہ جانا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان کیا: اس حدیث میں ہے کہ عبید اللہ نے جفینہ کو قتل کیا جب کہ وہ مشرک تھا، ہرمزان کو مارا جبکہ وہ کافر تھا، پھر اس کا اسلام لانا اس کے بعد تھا، پس مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل عبید اللہ کا مشورہ دیا جب کہ علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے، پس یہ محال ہے کہ نبی ﷺ کے فرمان سے غیر حربی مراد لیا جائے، پھر مہاجرین نے جب کہ علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل تھے عثمان رضی اللہ عنہ کو عہد والے کافر کے بدلے عبید اللہ کو

❶ شرح معانی الآثار: 3/192-193. ❷ شرح معانی الآثار: 3/193.

قتل کرنے کا مشورہ دیا لیکن اس کا معنی وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ ان کی مراد وہ کافر ہے جس کا کوئی ذمہ نہ ہو۔

طحاوی رحمہ اللہ نے اعتراض کا جواب دیا کہ بسا اوقات ہوسکتا ہے عبید اللہ کے قتل کا مشورہ اس لیے ہو کہ انھوں نے ابولؤلو کی چھوٹی بیٹی کو قتل کیا جو اسلام کا دعوی کرتی تھی۔ حدیث میں اس پر دلالت ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ کو ان کے جفینہ اور ہرمزان کو قتل کرنے کی وجہ سے، قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ❶

پھر انھوں نے اس ساری بحث پر اس طرح تبصرہ کیا کہ ثابت ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اول کا معنی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ ❷ پس اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ اس میں حجت ہے جو دلیل سے اس کا رد کرتی ہو کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ ❸

تاویل کرنے والے حضرات کا مناقشہ:

خطابی رحمہ اللہ نے حدیث کی اس تاویل کا رد کرتے ہوئے کہا:

''مومن کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔'' بذات خود ایک مستقل کلام ہے، اسے اس کے بعد والے کلام سے ملانے، اس کے ظاہر کے حکم کو ختم کرنے اور اس کو تقدیم و تاخیر پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں، ایسا تو تکمیل ناقص اور مبہم کی وضاحت و تبیین کی ضرورت کے وقت کیا جاتا ہے، جب کہ یہاں تو ایسی کسی چیز کی ہمیں ضرورت نہیں۔

رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہد کی تحدید کرنا کہ جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہے گا تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق حاصل ہے، آپ بیان کا تکرار فرمائیں، اور کسی چیز کو بار بار ذکر کر کے ظاہر فرمائیں تاکہ بیان کی تکمیل ہو اور مخاطبین کو بات سمجھ آ جائے۔

اس بات کا بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سے قصاص اس وقت ساقط فرمایا کہ جب اس نے کسی کافر کو قتل کیا ہو؛ اور تب اس کی ضرورت ہو کہ معاہد کی جان کے حق کو مؤکد کرنا ہو؛ اور آپ نے اس بارے میں فرمان کی تجدید کرتے ہوئے یہ کام کیا ہو؛ کیوں کہ اس کا ظاہر تو خون کفار کی حرمت کی توہین کو واجب کرتا ہے، اور ایسے میں ہوسکتا ہے کہ اس فرمان میں ان کے متعلق ترغیب دینا ہو، پس ان کی جانوں کی جانب مسلمانوں کی طرف سے کسی جلد بازی کے اقدام کا اندیشہ ہو تو آپ نے رفع شبہ اور کسی متأول کی تاویل ختم

---

❶ شرح معانی الآثار : 195/3 .
❷ شرح معانی الآثار .
❸ المصدر السابق : 195/3 .

کرنے کے لیے ان کی جانوں کو بچانے کے لیے بات کو دہرایا ہو۔

یہاں ایک اور وجہ بھی ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ اس کا معنی یہ ہو:

مومن کو کسی بھی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا جب کہ معاہد کو بعض کفار کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور وہ حربی ہو۔ [1]

لیکن وہ کیا چیز ہے جو ان علماء کو تاویل حدیث اور اس کے ظاہر کو چھوڑ کر کسی اور چیز کو اخذ کرنے کی طرف پہنچاتی ہے؟

حق بات تو یہ ہے کہ ان کے پاس دلائل ہیں جو انھیں اس بات تک پہنچاتے ہیں کہ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ ان میں سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ منقطع ہے۔ جیسا کہ طحاوی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، [2] اور مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیے جانے کے جواز کے بارے میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا جاتا ہے۔ [3]

① امام محمد بن حسن نے اپنی سند سے عبدالرحمٰن بن البیلمانی سے روایت کیا کہ کسی مسلمان شخص نے کسی ذمی شخص کو قتل کر دیا، یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَنَا أَحَقُّ مِنْ أَوْفَى بِذِمَّتِهِ، ثُمَّ أَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ .)) [4]

”میں امان کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (مسلمان شخص) کے متعلق حکم دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔“

یہ۔ اگرچہ مرسل روایت ہے۔ ان کے ہاں حجت اور دلیل ہے کیونکہ وہ مرسل روایت سے حجت و دلیل لیتے ہیں۔ [5]

محمد رحمہ اللہ نے بیان کیا: اس رائے کو ان کے فقیہ (یعنی اہل مدینہ کے فقیہ) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن بیان کرتے تھے۔

② جیسا کہ انھوں نے کہا: اہل مدینہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو کافر کے بدلے

---

[1] معالم السنن: 668/4-669.
[2] شرح معانی الآثار: 195/3.
[3] إيثار الإنصاف: 419.
[4] الحجة على أهل المدينة: 344/4.
[5] توثيق السنة فى القرن الثانى الهجرى: 253-258، إيثار الإنصاف: 419.

قتل کیا، اور فرمایا:

''میں امان کو پورا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔'' [1]

③ امام محمد رحمہ اللہ نے یہ بھی روایت کیا: ہمیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ انھوں نے ایک مسلمان شخص کے بارے، جس نے اہل حیرہ کے ایک نصرانی شخص کو دھوکے سے قتل کر دیا تھا، حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، پس انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ [2]

④ طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے محمد بن المنکدر کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن البلیمانی کی روایت کے مثل روایت کیا ہے۔ [3]

⑤ ان مذکورہ روایات کے ساتھ متعلق نصوص کو بھی ملاؤ جو کسی فرق کے بغیر پورا پورا قصاص لینے میں وارد ہیں۔ [4] انھوں نے نصوص کے برعکس معقول مستند سے بھی استدلال کیا ہے:

طحاوی رحمہ اللہ نے بیان کیا: ہمارے پاس اس کے لیے شاہد بھی ہے: یعنی مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا، جب عربی کی جان اور اس کا مال حلال ہے، تو پھر ذمی کا خون اور اس کا مال مسلمان کی جان و مال کی حرمت کی طرح حرام ہو گیا- پس یہ معقول ہے کہ جو جان امان کی وجہ سے حرام قرار پائی ہے اس جان کے قتل پر بھی سزا ہو، جس طرح اس جان کے بارے میں سزا ہے جو اسلام کی وجہ سے حرام قرار پائی ہے۔ اور اس پر یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ جو مال امان کی وجہ سے حرام قرار پایا ہے اس مال کی حرمت کی پامالی پر سزائیں ہوں جس طرح اس مال کی حرمت کی پامالی پر سزائیں ہیں جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ پس جو شخص ذمی کا اس قدر مال چوری کرتا ہے جس پر قطع ید کی حد واجب ہوتی ہے تو اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جائے جس طرح مسلمان کے مال کی چوری پر قطع ید کی حد نافذ ہوتی ہے، پس خون (جان) کے بارے میں بھی سزائیں اسی طرح ہیں۔

طحاوی رحمہ اللہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ مال کی حرمت کی پامالی اور جان کی حرمت کی پامالی پر عقوبات واجبہ میں فرق ہے، وہ غلام جو اپنے مالک کے مال سے چوری کرتا ہے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن جب وہ اپنے مالک کو قتل کر دے گا تو بدلے میں اسے قتل کر دیا جائے گا، اور ممکن ہے یہی فرق ذمی کے مال کی پامالی اور اس کی جان کی پامالی میں ہو۔

---

[1] الحجة على أهل المدينة : 339/4 .
[2] المصدر السابق : 345/4 .
[3] شرح معاني الآثار : 195/3 .
[4] إيثار الإنصاف : 417 .

اس اعتراض کا اس طرح ازالہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ بھی فرق ذکر کیا ہے جو ان کے مؤقف کو مؤکد بناتا ہے، اور قابل غور بات اس تشدید میں جان کے بارے میں ہے۔ اور یہی ان کا موقف ہے: ''جب جان کے معاملے کی توکید اور مال کے معاملے کی تخفیف ثابت ہوگئی، پھر ہم نے ذمی کے مال میں دیکھا کہ اگر مسلمان اس کے مال کی بے حرمتی کرتا ہے تو اس پر عقوبت واجب ہو جاتی ہے، جیسا کہ مال مسلم کی بے حرمتی پر اس پر سزا واجب ہوتی ہے۔ اس کی جان زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کی بے حرمتی پر اس (مسلمان) پر سزا واجب ہو جتنا کہ مسلمان کی جان کی بے حرمتی پر اس (ذمی) پر سزا واجب ہو۔ ❶

رہا مستأمن اور حربی تو ان دونوں کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا، یہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے جیسا کہ حدیث صحیفہ اس پر دلالت کرتی ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ نے بیان کیا: رہا مستأمن تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دیگر ائمہ کی اس بارے میں موافقت کی ہے، اس کے بدلے مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اور یہ موقف ابو یوسف رحمہ اللہ کے حوالے سے مشہور ہے، اور انھی سے منقول ہے کہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا جیسا کہ ذمی کے بارے میں بیان ہو چکا ہے۔ ❷

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے:

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اس نے دھوکے سے اسے قتل کیا ہو تو پھر اس کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا، اور اسی طرح اگر اس نے اسے لوٹ مار کرتے ہوئے قتل کیا ہو تب بھی اسے قتل کیا جائے گا۔ ❸

امام مالک رحمہ اللہ نے المؤطا میں بیان کیا: ''ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اس طرح ہے، مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، الّا یہ کہ مسلمان اسے دھوکے سے قتل کر دے تو پھر اس کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا۔ ❹

اگر اس نے دھوکے بغیر عمداً یا غلطی سے اسے قتل کیا ہو تو پھر اس کے ذمہ صرف دیت ہے، جب کہ (قتل) خطا میں کفارہ ہے۔ ❺

ہم اپنے فقہاء کو حدیث صحیفہ کے اس جزء کو اس طرح اخذ کرتے ہوئے پاتے ہیں کہ کچھ اسے اس کے عموم پر محمول کرتے ہیں، جب کہ کچھ اسے عام مخصص کے طور پر لیتے ہیں۔

❶ شرح معانی الآثار: 3/195-196.
❷ المغنی: 7/654.
❸ المحلی: 10/349.
❹ المؤطا: 2/864.
❺ المحلی: 10/348.

(5) قیدی کو چھڑانا

صحیفہ کی بعض روایات میں ہے: ((فَـكَـاكُ الْأَسِيْـرِ)) ''قیدی کو چھڑانا۔'' یعنی اسے دشمنوں کے قبضے / ہاتھوں سے آزاد کرانے کی ترغیب، خواہ یہ مال کے ذریعے ہو یا کسی اور چیز کے ذریعے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بارے میں ایک باب مقرر کیا ہے، اور اس میں حدیث صحیفہ روایت کی ہے، اور حدیث ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فُكُّوْا الْعَانِيَ ، وَاَطْعِمُوا الْجَائِعَ ، وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ .)) [1]

''قیدی کو آزادی دلاؤ، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کرو۔''

قیدی کو آزادی دلانا بقدر ضرورت واجب ہے، جمہور کا یہی موقف ہے۔ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے بیان کیا: بیت المال میں سے یہ امام مالک رحمہ اللہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ [2]

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: قیدی کے بدلے قیدی سے رہائی ہوگی، رہا مال کے ذریعے تو میں اسے نہیں جانتا۔ [3]

اگر مسلمانوں کے پاس (کافروں کے) قیدی ہوں اور مشرکوں کے پاس بھی قیدی ہوں، اور وہ متعین مفادات پر متفق ہوں، مشرکوں کے مفادات مال کے ذریعے کافی نہیں۔ [4]

جس سے اس مسئلے کا استدلال کیا گیا ہے کہ مسلمان کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ میں مشرک کو دینا جائز ہے، وہ صحیح مسلم کی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے ایک شخص کے بدلے میں دو مسلمانوں کو آزاد کرایا۔ [5]

انھوں نے ایاس بن سلمہ عن ابیہ کی سند سے بھی روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے بدلے

---

[1] صحيح بخارى : 30/4 (56) كتاب الجهاد ، (17) بـاب فكاك الأسير ، من طريق جرير ، عن منصور ، عن أبى وائل ، عن أبى موسى رضي الله عنه به .

[2] فتح البارى : 167/6 .

[3] المصدر السابق : 167/6 .

[4] المصدر السابق : 167/6 .

[5] صحيح مسلم : 1262/3 (26) كتاب النذر ، باب لا وفاء لنذر فى معصية الله ، وفيما لا يملك العبد .

میں مسلمانوں کے کچھ لوگوں کو آزادی دلائی۔ ❶

مسلمان کو آزاد کرانا کافر کو قتل کرنے سے زیادہ بہتر ہے؛ اور یہ مسلمان سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ہے؛ کیوں کہ اس کی حرمت بہت بڑی ہے، رہا وہ ضرر جو مشرکوں کو ان کے حوالے کرنے سے مسلمانوں پر لوٹتا ہے وہ مسلمان کے اس نفع سے زائل ہو جائے گا جو وہ ان کے فتنے اور ان کی سزا سے خلاصی پا جائے گا، ایک کا ضرر اس کے مثل ایک کو حوالے کرنے سے انجام پاتا ہے، پس وہ دونوں برابر ہو جاتے ہیں جب کہ مسلمان کی رہائی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متعلق اس کی تمکین باقی رہتی ہے، پس اس میں زیادہ ترجیح ہے۔ ❷



❶ صحیح مسلم : 1375/3-1376 (32) كتاب الجهاد والسير ـ (14) باب التنفل وفداء المسلمين الأسارى .

❷ نيل الأوطار : 150/7 .

(6) بعض کبائر

((وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا .))

''جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض قبول کرے گا نہ کوئی نفل۔''

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوَىٰ مُحْدِثًا .))

''اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے، جو زمین کی حد بندی کے نشانات چراتا/مٹاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو اپنے والد پر لعنت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور جو کسی بدعتی شخص کو پناہ دے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔''

بعض علماء نے کہا ہے: ہر وہ گناہ کبیرہ گناہ ہے جس کے ساتھ وعید یا لعنت مقرون ہو۔ لعنت سے مراد ہے اللہ عزوجل کی رحمت سے دوری۔

ابن صلاح رحمہ اللہ نے بیان کیا: ''اس کی کچھ نشانیاں ہیں: ان میں سے حد کا واجب ہونا، اس کے متعلق کتاب وسنت میں آگ کے عذاب کی وعید آئی ہو، اس کے مرتکب کو فاسق قرار دیا گیا ہو، ان میں سے ایک لعنت ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کی حد بندی کے نشانات بدلنے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: المفهم میں قرطبی رحمہ اللہ نے کبیرہ گناہ کی بہترین تعریف کی ہے: ''ہر گناہ جس پر کتاب یا سنت کی نص یا اجماع نے اس بات کا اطلاق کیا ہو کہ وہ کبیرہ ہے یا عظیم ہے، یا اس کے متعلق شدت

[1] شرح مسلم : 279/1.

عقاب کا بتایا گیا ہو یا اس پر حد متعین کی گئی ہو، یا اس پر سخت نکیر (عذاب) بیان کی گئی ہو تو وہ کبیرہ ہے۔"

اس کے مطابق یہ ہونا چاہیے کہ جس بارے میں قرآن یا احادیث صحیحہ یا احادیث حسنہ میں وعید یا لعنت یا فسق وارد ہوا ہو تو وہ گناہ کبیرہ ہے۔ ❶

اس سے ہم اس بات کا ادراک کرتے ہیں کہ وہ امور جو صحیفے میں وارد ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ لعنت کا ذکر ہوا ہے تو وہ کبیرہ گناہ ہیں۔

اس لیے ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نے انھیں کبائر میں ذکر کیا ہے۔ ❷

❶ والد کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہونا یا مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہونا:

صحیفہ میں بیان ہوا ہے:

((وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا .))

"جس نے اپنے آپ کو اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض قبول کرے گا نہ کوئی نفل۔"

اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے آپ کو اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا غلاموں میں سے کسی نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو وہ دنیا و آخرت میں اس عذاب کا مستحق ٹھہرے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا مستحق قرار پائے گا، اور اس پر یہ بددعا فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے ہوگی، اور آخرت میں اس کے ذمے حساب ہوگا، اور وہ ایسا گناہ ہے کہ اس کے بدلے کوئی فدیہ نہیں دیا جائے گا، اور نہ کوئی ثواب اس کے برابر ہے۔

یہ آدمی کے اپنے باپ کے علاوہ یا آزاد کردہ غلام کے اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرنے کی تحریم کی سنگینی کے بارے میں صریح ہے۔ ❸

---

❶ فتح الباری : 184/12 .
❷ الکبائر للذهبی: 148,147,155,154 .
❸ شرح مسلم للنووی : 519/3 .

بعض احادیث میں وارد ہے:

((لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كَافِرٌ.)) ❶

''اپنے آباء سے اعراض نہ کرو جس نے اپنے والد سے اعراض کیا تو اس نے کفر کیا۔''

یہ اگرچہ اس سے حقیقی کفر مراد نہیں جو اسے (کافر کو) کو ہمیشہ کے لیے جہنمی بنا دیتا ہے الا یہ کہ وہ شدید وعید ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

اس وعید شدید کے ضمن میں یہ بھی وارد ہے:

((مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ.)) ❷

''جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ قرار دے تو اس پر جنت حرام ہے۔''

تحریم کی اس طرح سختی اور سنگینی میں حکمت یہ ہے کہ اس میں کفران نعمت ہے، ارث (وراثت)، ولاء اور دیت وغیرہ کے حقوق کی تضییع ہے۔ ❸

اس میں اختلاط انساب ہے اور جو اللہ عزوجل نے نکاح وغیرہ حلال قرار دیا ہے، اس پر تحریم کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

اس سے امام مالک رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے، جسے ابن وہب رحمہ اللہ نے ان سے ذکر کیا ہے، انھوں نے کہا: ان سے اس غلام کے بارے پوچھا گیا جو اپنے آپ کو اپنے مالک سے اس شرط پر خریدتا ہے کہ وہ جسے چاہے اپنا مالک بنا لے، تو انھوں نے کہا: یہ جائز نہیں، اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا۔ ❹

پھر کہا: یہ وہ ہبہ ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

ہم اس سے سمجھتے ہیں کہ یہ جائز نہیں حتی کہ خواہ وہ بیع کے طریق سے ہو یا ہبہ کے طریق سے۔

صحیح بخاری میں کتاب الفرائض میں ہے: ((وَمَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ.)) ''جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم کو اپنا مالک قرار دیا۔'' تو کیا اس کا معنی ہے کہ جب وہ اجازت دے دیں

❶ صحیح بخاری: 12/8 (85) کتاب الفرائض۔ (29) باب من ادعى إلى غير أبيه۔ من طريق جعفر بن ربيعة عن عراك عن أبي هريرة به.

❷ المرجع السابق.

❸ شرح مسلم للنووي: 519/3.

❹ صحیح بخاری: 10/8 (85) کتاب الفرائض: 21 باب إثم من تبرأ من مواليه۔ عن أبي نعيم عن سفيان عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر رضي الله عنهما.

تو جائز ہو جائے گا؟

اس کا معنی شرط نہیں، حتی کہ جب وہ اس بارے میں اجازت دے دیں تو اس کے لیے اپنے مالکوں کے علاوہ دیگر کی طرف منسوب کرنا جائز ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ ولاء نسب کے تعلق کی طرح ایک تعلق ہے وہ کسی حال منتقل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ نسب منتقل نہیں ہوتا، وہ اس کی تحریم کے لیے تو کید کے معنی میں ہے اور اس پر تنبیہ ہے جو اسے اس سے منع کر دیتا ہے، وہ ارادہ کرتا ہے کہ جب اس کا نفس اس کو اس فعل کو سرانجام دینے پر اُکساتا ہے تو وہ اسے اپنے اولیاء سے چھپتے ہوئے نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنی خبر دیتا ہے اور ان سے اجازت طلب کرتا ہے، اور یہ اس لیے کہ جب وہ اپنے اولیاء سے ان کے علاوہ دیگر سے موالات کی اجازت طلب کرتا ہے تو وہ اسے اس سے منع کرتے ہیں، اور جب وہ ان کے علاوہ خود مختار ہو جاتا ہے تو ان پر اس کا امر مخفی ہو جاتا ہے، بسا اوقات طول مدت یا امتداد زمانہ کی وجہ سے اس سے ولاء معروف ہو جاتا ہے جن کی طرف وہ منتقل ہوا ہوتا ہے، پس یہ اس کے مالکوں کے حق کے بطلان کا سبب بن جاتا ہے۔ ❶

امام خطابی رحمہ اللہ نے بیان کیا: ادعاء نسب اور ادعاء ولاء میں مالکوں کی اجازت شرط نہیں، انھوں نے صرف تحریم کی تاکید اور بطلان پر تنبیہ اور اس بارے میں سبب کی طرف راہنمائی کے لیے ذکر کیا ہے، اور یہ اس لیے کہ جب اس نے ان سے اجازت طلب کی، انھوں نے اسے منع کر دیا اور وہ اس کے اور اس کے درمیان حائل ہو گئے جو وہ اس سے کرتا ہے۔ ❷

خطابی رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے کہا: اجازت سے تعبیر عدم اجازت سے تقیید حکم اور اس پر اکتفا کرنا نہیں، اس کے متعلق کلام صرف اس لیے وارد ہوا ہے کہ وہ غالب طور پر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ (الاسراء: 31)

''مفلسی کے خوف کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔''

اس پر اجماع ہے کہ قتل اولاد حرام ہے، خواہ وہ مفلسی کا خوف ہو یا نہ ہو۔ ❸

ان دونوں رائے کے مطابق غیر موالی کی طرف نسبت کرنا اجازت سے جائز ہے نہ بیع سے اور نہ ہی ہبہ سے۔

---

❶ شرح السنة: 312/7.

❷ معالم السنن على مختصر سنن أبى داود: 445/2.

❸ فتح البارى: 43,42,12.

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے مسند عبدالرزاق کی ابن جریج سے مروی روایت سے مفہوم اخذ کیا ہے: ''کہ اگر آدمی کو اس کے مالک اجازت دے دیں کہ وہ جس کو چاہے اپنا مولی بنالے تو جائز ہے۔'' [1] یہ موقف شاذ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ایسا موقف رکھنے میں عثمان، عطاء پر سبقت لے گئے ہیں، ابن منذر رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ اس بارے میں عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا تو انھوں نے عتیق (آزاد کردہ غلام) سے کہا: جس سے چاہو اپنا تعلق قائم کرلو (اپنا مالک بنالو)، کیوں کہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آزاد کردہ غلاموں کا ولاء عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو ہبہ کر دیا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: صحیح حدیث ان سب پر مقدم ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث ان حضرات تک نہ پہنچی ہو، یا پہنچی ہو اور انھوں نے اس کی تاویل کر لی ہو، ان کے قول/موقف کے خلاف اجماع ہو چکا ہے۔ [2]

حدیث میں ہے: کہ آزاد کردہ غلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ لکھے: ''فلان ابن فلان'' وہ اپنا نام لکھے اور اپنے مولی کا نام لکھے جس نے اسے آزاد کیا ہے؛ بلکہ وہ یوں کہے گا: فلانٌ مولی فلان، لیکن اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے نسب کی طرف نسبت کرے جیسے قرشی وغیرہ، زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اس کی بھی وضاحت کرے! گویا کہ وہ یوں کہے: وہ ولاء کے لحاظ سے قرشی ہے، یا وہ ان (قرشیوں) کا آزاد کردہ غلام ہے۔ [3]

حدیث سے مستنبط مسائل:

حدیث میں ہے جس کو اس وعید کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کو باپ قرار دے یا وہ اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس کی گواہی ساقط ہو جائے گی، اور توبہ و استغفار کرنا اس پر واجب ہو جائے گا۔

حدیث میں اہل فسق پر عمومی طور پر لعنت کرنا جائز ہے خواہ وہ مسلمان ہوں۔ [4]

2 غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو:

مشرک اللہ عزوجل کے علاوہ دوسروں کے لیے ذبح کیا کرتے تھے، وہ اپنے باطل معبودوں اور بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے۔ وہ ذبیحہ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا نام لیتے تھے اور وہ اسے اپنے معبودوں کے

1. مصنف عبدالرزاق: 655/9 كتاب الولاء، باب بيع الولاء وهبته وباب إذا أذن لمولاء أن يتولى من شاء.
2. فتح الباری: 43/12.
3. فتح الباری: 43/12.
4. فتح الباری: 43/12.

لیے عبادت کا درجہ دیتے تھے، اللہ عزوجل نے اسے مومنوں پر حرام قرار دیا ہے۔ [1]

عبادت اور ذبح وغیرہ میں توجہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے۔ اس حدیث صحیفہ میں تشدید بیان ہوئی ہے، اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں پر حرام قرار دیا ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ﴾ (الانعام : 121)

''جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھاؤ، کیوں کہ وہ فسق (ناپاک) ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾ (الانعام : 145)

''کہہ دیجئے کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے میں اس میں کوئی چیز کھانے والے پر جو اس کو کھائے حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو کیوں کہ وہ ناپاک ہے یا جو (جانور وغیرہ) غیر اللہ کے نام پر مشہور/ نامزد کر دیا جائے۔''

نیز فرمایا:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ (البقرۃ : 173)

''اس (اللہ تعالیٰ) نے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جو چیز غیر اللہ کے نام پر مشہور کر دی جائے۔''

پس جو شخص غیر اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے گویا کہ وہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے۔ لیکن کچھ ایسی مناسبات (نسبتیں) ہیں جن کی خاطر جانور ذبح کیے جاتے ہیں، ان سے غیر اللہ کے لیے تعظیم مقصود نہیں ہوتی تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

امام نووی رحمہ اللہ نے اس موضوع کے بارے میں بہترین محدد کلام ذکر کیا، انھوں نے کہا:

رہا غیر اللہ کے لیے ذبح تو اس سے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، جس طرح کہ کوئی صنم (بت) کے لیے یا صلیب کے لیے، یا موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کے لیے یا کعبہ اور اس طرح کی چیزوں کے لیے ذبح کرے، تو یہ سب حرام ہے، یہ ذبیحہ حلال نہیں؛ خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا نصرانی ہو یا یہودی ہو، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ [2]

---

[1] جامع البیان : 50/2. [2] الأم : 410/8.

اور ہمارے اصحاب نے اس پر اتفاق کیا ہے، اگر اس کے ساتھ اس غیر اللہ کی تعظیم اور عبادت مقصود ہو جس کے لیے وہ ذبح کیا گیا ہے تو پھر یہ عمل کفر ہے، اگر ذبح کرنے والا اس سے پہلے مسلمان تھا تو اس ذبح کی وجہ سے وہ مرتد ہو جائے گا۔ ❶

پھر نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا: ہمارے اصحاب میں سے الشیخ ابراہیم المروزی رحمہ اللہ نے ذکر کیا: جو بادشاہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے استقبال کے وقت جانور ذبح کیا جاتا ہے تو اہل بخاری نے اس کی تحریم کا فتوی دیا ہے؛ کیوں کہ یہ بھی غیر اللہ کے نام پر مشہور کی گئی چیز کے زمرے میں آتا ہے۔ رافعی رحمہ اللہ نے کہا: وہ تو اس کی آمد کی خوشی میں ذبح کر رہے ہیں، تو وہ بچے کی ولادت کے موقع پر ذبح عقیقہ کی طرح ہے، اس کے مثل ذبح تحریم کو واجب نہیں کرتا۔ ❷ واللہ اعلم۔

نووی رحمہ اللہ نے رافعی رحمہ اللہ کے حوالے سے المجموع میں نقل کیا ہے: جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا لیکن وہ اس کی عبادت و تعظیم کی خاطر نہیں وہ یہ کہ اس نے کعبہ کی تعظیم کی خاطر کہ وہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے قربانی کا جانور ذبح کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جائز نہیں کہ ذبیحہ کے حلال ہونے سے منع کیا جائے، اس معنی میں قائل کا قول لوٹتا ہے: میں نے حرم کے لیے یا کعبہ کے لیے قربانی کا جانور بھیجا، اس کے مطابق جب ذبح کرنے والا یوں کہے: اللہ تعالیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے، اور اس نے اللہ کے نام سے ذبح کرنے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے تبرک حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو مناسب یہی ہے کہ اسے حرام قرار نہ دیا جائے۔ اور جس نے کہا اس کا قول: یہ جائز نہیں ممکن ہے اس نے اس پر محمول کیا ہو کہ یہ الفاظ مکروہ ہیں؛ کیوں کہ مکروہ نفی جواز اور اس سے اباحت مطلق کو درست قرار دیتا ہے۔ ❸

ہم کہتے ہیں: ممکن ہے کہ ان جیسے اعمال میں جنھیں بعض سادہ مسلمان بجالاتے ہیں ہم اسی طرح کا موقف اختیار کریں حتی کہ ہم ان کی تکفیر میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ واللہ تعالیٰ أجل واعلم۔

❸ زمین کی حد بندی کے نشانات تبدیل کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہو:

جو شخص کسی دوسرے شخص کی زمین حاصل کر لیتا ہے یا اسے غصب کر لیتا ہے یا اس کو بدل دیتا ہے اس کے متعلق اس اور اس کے مثل حدیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے؛ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

❶ شرح مسلم: 656/4. ❷ المصدر السابق: 656/4.

❸ المجموع: 410/8.

((مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ .))[1]

''جس نے ناحق طور پر بالشت برابر زمین ہتھیالی اسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

((مَنْ أَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِيْنَ .))[2]

''جس نے اپنے حق کے بغیر زمین کا کچھ حصہ بھی لیا تو اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔''

الحکیم الترمذی رحمہ اللہ نے اس تشدید کی حکمت واضح کرتے ہوئے کہا: یہ اس لیے ہے کہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، وہ اسے اپنے بندوں کے لیے کشادہ بنا دیتا ہے، اور اس میں ان کی معاش بنا دیتا ہے، پھر اس کی مقادیر پر انھیں مالک بنا دیتا ہے، پس جو شخص اس کی حد سے تجاوز کرتا ہے جس کے بارے میں اسے اجازت دی گئی ہے اور وہ اسے اس طور پر حاصل نہیں کرتا جس طرح اسے اس بارے میں اجازت دی گئی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین کا غاصب بن جاتا ہے، زمین ایک ہی ہے اسے جدا کر کے سات زمینیں بنا دیا گیا، پس اس کے غاصب کو اس غصب شدہ حصے کی سات زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا حتی کہ وہ انھیں اپنی گردن میں ڈال کر قیامت کے دن پیش ہوگا۔

ہم نے تمام اشیاء کی ملکیت کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حاصل کرنے کے لیے بندوں کو اجازت عطا فرمائی اور وہ مال داروں کے لیے چھ طرح سے اور فقراء کے لیے آٹھ طور پر:

مال داروں کے لیے چھ وجوہ سے:

غنیمت، تجارت، وصیت، ہبہ، ہدیہ اور میراث۔

فقراء کے لیے ان (مذکورہ بالا چھ) کے علاوہ دو مزید:

صدقہ اور لقطہ (گری پڑی چیز اُٹھا لینا)۔

---

[1] صحيح بخاری: 3/100 (46) كتاب المظالم- (13) بـاب إثم من ظلم شيئًا من الأرض، من طريق محمد بن إبراهيم، عن أبي سلمة، عن عائشة .

[2] المرجع السابق- من طريق عبدالله بن المبارك، عن موسى بن عقبة، عن سالم، عن أبيه رضى الله عنه به .

پس جنھوں نے ان آٹھ راہوں/ ذرائع سے دنیا حاصل کی تو وہ ان کے لیے مباح ہے۔ جب کہ ان کے علاوہ حرام ہے۔ [1]

4 اپنے والد پر لعنت کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو:

صحیفہ کی روایت میں والد کو لعنت کرنے سے بھی زیادہ عمومی طور پر ہے، نافرمانی کرنا، ستانا، علی رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہانی سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہانی! لوگ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: وہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ ایسا علم ہے جسے آپ رضی اللہ عنہ ظاہر نہیں کرتے، انھوں نے کہا: لوگوں کے سامنے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! انھوں نے فرمایا: مجھے تلوار دکھاؤ، پس میں نے اپنی تلوار دے دی، انھوں نے اس میں سے ایک صحیفہ نکالا اس میں ایک کتاب (تحریر) تھی، انھوں نے کہا: یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَمَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ الْعَاقَ لِوَالِدَيْهِ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مُنْتَقِصَ مَنَارَ الْأَرْضِ .)) [2]

''غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے (اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، والدین کی نافرمانی کرنے والے (اور انھیں ستانے والے) پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، زمین کی حد بندی کے نشانات بدلنے (کم کرنے) والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔''

والدین کی نافرمانی خواہ کسی بھی لحاظ سے ہو وہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، خاص طور پر گالی گلوچ کر کے والدین کو ایذاء پہنچانا، حتی کہ اگر چہ یہ براہ راست نہ بھی ہو؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ، فَيَسُبُّ أُمَّهُ .)) [3]

''آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا (اور انھیں برا بھلا کہنا) کبیرہ گناہوں میں سے ہے، انھوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] المنهيات : 237 . [2] المستدرك : 153/4 .

[3] صحيح بخارى : 92/1 (1) كتاب الإيمان۔ (38) باب بيان الكبائر وأكبرها من طريق سعد بن إبراهيم عن حميد بن عبدالرحمٰن عن عبدالله بن عمرو بن العاص به .

’’ہاں! وہ آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔‘‘

والدین کی نافرمانی کی تحریم میں حکمت یہ ہے کہ ان دونوں کا اولاد پر بہت بڑا حق ہے، اور یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کی حیات کے وجود کا سبب بنایا، پس ان دونوں سے حسن سلوک کرنا اور صلہ رحمی کرنا اس پر واجب ہے، (اس کے باوجود) وہ ان دونوں کا حق ادا نہیں کر سکتا، یہ ظلم ہے کہ وہ اس پر ان دونوں کی فضیلت و مہربانی کے مقابلے میں ان سے بدسلوکی کرے اور ان کی نافرمانی کرے اور ان دونوں کو ایذاء پہنچا کر ان سے صلہ رحمی کا معاملہ منقطع کر دے، یا ان دونوں کے لیے ایذا رسانی کا سبب بنے، اس لیے اس کا مرتکب اس لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے جیسا کہ حدیث صحیفہ اور دیگر احادیث میں آیا ہے۔



(7) جو شخص کسی فسادی اور بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو

اَلْمُحْدِثْ: جو شخص زمین/ ملک میں فساد مچاتا ہے جیسے قتل اور زنا۔ فسادی کو پناہ دینے سے مراد ہے اس کی مدد کرنا اور اسے اس کے حریف سے روکنا کہ وہ اس سے اپنا حق حاصل کر لے، جو شخص اسے پناہ دیتا ہے وہ لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے: کیوں کہ وہ مفسد کی اس کے فساد مچانے پر مدد کرتا ہے؛ بلکہ وہ اسے اس پر قادر بناتا ہے، پس اس صورت میں وہ اس سے زیادہ مجرم ہے، وہ اس طرح کہ وہ اس کے فساد مچانے سے رکنے اور جو وہ ایذا پہنچاتا ہے اس سے باز رہنے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، اس میں اسلامی معاشرے کے لیے بڑا ظلم ہے اس لیے اس کا مرتکب شخص اس سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے کہا: آپ کا یہ فرمان: ((مَنْ آوَى مِحْدِثًا .)) یہ دو طرح سے روایت کیا جاتا ہے: دال کے کسرہ کے ساتھ تو اس سے ظالم اور مجرم شخص مراد ہے، جب کہ ((مُحْدَثًا)) دال کے فتحہ (زبر) کے ساتھ، اس سے نیا کام مراد ہے، اور نیا کام وہ ہوتا ہے جو سنت کے مطابق نہ ہو۔

دوسرے لفظ ((مُحْدَثًا)) کے مطابق "ایواء" کا معنی ہے، اس (بدعت) پر راضی ہونا اور اس پر صبر کرنا، پس جب وہ بدعت پر راضی ہو گیا اور بدعتی کو اس پر قائم رکھا، اس (بدعت) کو بُرا نہ جانا تو اس نے اس (بدعتی شخص) کو پناہ دی۔ ❶

اور ایک قول یہ ہے: جس نے کسی ظالم کو پناہ دی۔ اور وہ اس کے اور اس کے حریف کے درمیان اس طرح حائل ہو گیا کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے۔ ❷ میں کہتا ہوں کہ حدیث نبوی کی عبارت ان میں سے ہر توجیہ حمید کا احتمال رکھتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اَجل واعلم۔



---

❶ شرح النسائی للسیوطی : 232/7.
❷ شرح السنة : 310/7.

خاتمہ

زیر مطالعہ صحیفہ سے چند امور سامنے آتے ہیں:

1. احادیث صحیفہ اور انہیں روایت کرنے والے اجلہ ائمہ خصوصاً امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما۔
2. سنت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام عہد نبوی سے ہی قلم بند ہوئی۔ مختلف یادداشتوں اور مجموعوں کا سلسلہ اس پر دلالت کرتا ہے۔
3. مختلف احکامات حرم مدینہ، مسلمانوں کی امان، مسلمانوں کے خون کی برابری کا مسئلہ، کوئی مسلمان ذمی کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا، قیدیوں کو آزاد کرنا وغیرہ۔
4. بعض کبائر جیسے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا، زمین کے نشانات میں تبدیلی، والدین کو لعنت کرنا اور بدعتی یا فسادی کی پشت پناہی۔

اس صحیفہ میں ایسے دروس ہیں جن کا علم ہر مسلمان مرد و زن کے لیے ضروری ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

وصلى الله تعالىٰ على سيدنا محمد وآله الطيبين وصحابته الأكرمين ومن تبعه بإحسان إلى يوم الدين.



المصادر والمراجع

1: القرآن الكريم.

2: إعـلام الساجد بأحكام المساجد: محمد بن عبد الله الزركشي (745- 794هـ)، تحقيق أبي الوفا المراغي، ط: 2- المجلس الأعلى للشئون الإسلامية بالقاهرة.

3: الأم: محمد بن إدريس الشافعي، دار الشعب بالقاهرة.

4: تـرتيـب الـقـامـوس المحيط: الطاهر أحمد الزاوي، والقاموس للفيروزبادي- عيسى البابي الحلبي وشركاه.

5: توثيق السنة في القرن الثاني الهجري، أسسه واتجاهاته: رفعت فوزي- مكتبة الخانجي بالقاهرة.

6: جامع البيان في تفسير القرآن، أبوجعفر محمد بن جرير الطبري- دارالمعرفة- بيروت.

7: الـجـامع الصحيح، وهو سنن الترمذي، أبوعيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي (209- 279هـ) مكتبة مصطفى البابي الحلبي بالقاهرة.

8: الحجة على أهل المدينة: محمد بن الحسن الشيبانى (189هـ)، عالم الكتب بيروت.

9: حجة الله البالغة: أحمد شاه ولي الله الدهلوي، دارالمعرفة- بيروت.

10: دراسـات فـي الـحـديـث الـنـبـوي وتاريخ تدوينه: محمد مصطفى الأعظمي المكتب الإسلامي، دمشق، بيروت.

11: روضة الطالبين وعمدة المفتين: النووي- تحقيق: زهير الشاويش- المكتب الإسلامي، ط: 2- 1405هـ- 1985م.

12: السـنـن: سـعيـد بـن منصور بن شعبة الخراساني (227هـ) تـحـقيق حبيب الرحمن الأعظمي- الدار السلفية- ط: 1- 1403هـ- 1982م.

13: سـنـن أبـي داود: أبـوداود سـليمان بن الأشعث السجستاني الأزدي (202- 275هـ)

إعداد وتعليق: عبد الدعاس حمص ـ 1388هـ ـ 1969م .

14: سنن ابن ماجة: أبوعبد الله محمد بن يزيد القزويني (207- 275هـ) تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي- عيسى البابي الحلبي وشركاه .

15: سنن الدارقطني: علي بن عمر الدارقطني- تحقيق السيد عبد الله هاشم يماني المدني- المدينة المنورة- 1386هـ- 1966م .

16: سنن النسائي: أبوعبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي النسائي (ت : 303هـ)- المكتبة التجارية الكبرى- مصر .

17: السنن الكبرى: أبوبكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي (458هـ) حيدر آباد الدكن- الهند- 1355 .

18: شرح السنة: أبومحمد الحسين بن مسعود الفراء البغوي- (436هـ - 516)، تحقيق: شعيب الأرناؤوط وزميله- المكتب الإسلامي- ط : (1)- 1390- هـ - 1971م .

19: الشرح الصغير على أقرب المسالك: الدردير- دارالمعارف- مصر .

20: شرح مسلم: محي الدين النووي ، تحقيق عبد الله أبوزينة- دار الشعب القاهرة .

21: شرح معاني الآثار: أبوجعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك الأزدي الطحاوي- دار الكتب العلمية- بيروت .

22: صحيح البخاري : أبوعبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة الجعفي (194- 256هـ) المكتبة الإسلامية ـ استانبول- تركيا .

23: صحيح مسلم: أبوالحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري (206- 261هـ) تحقيق محمد فؤاد عبد الباقي- دار إحياء الكتب العربية بالقاهرة .

24: صحيفة همام بن منبه عن أبي هريرة رضي الله عنه- تحقيق رفعت فوزي- مكتبة الخانجي- القاهرة .

25: عون المعبود: أبوالطيب العظيم أبادي- المكتبة السلفية- المدينة المنورة .

26: فتح الباري؛ شرح صحيح البخاري: أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (773- 852هـ) المكتبة السلفية- القاهرة .

27: فتح القدير: كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي ثم الكندري المعروف بابن الهمام الحنفي (671هـ)۔ مصطفى البابي الحلبي۔ وهو شرح الهداية للمرغيناني۔ والأخير شرح بداية المبتدي في الفقه الحنفي . وقد طبعا مع هذا الكتاب .

28: الكافي في فقه الإمام أحمد: أبومحمد موفق الدين عبد اللّٰه بن قدامة المقدسي۔ المكتب الإسلامي۔ دمشق بيروت .

29: الكبائر وتبيين المحارم: أبوعبد اللّٰه محمد بن احمد بن عثمان الذهبي۔ تحقيق محي الدين مستو۔ مؤسسة علوم القرآن ودار التراث۔ بيروت .

30: كشاف القناع، عن متن الإقناع: منصور بن يونس البهوتي۔ دارالفكر۔ بيروت .

31: المبسوط: شمس الدين السرخسي۔ دار المعرفة بيروت .

32: المجموع شرح المهذب: محيى الدين النووي۔ المطبعة المنيرية القاهرة .

33: مجموعة الوثائق السياسة للعهد النبوي والخلافة الراشدة، جمعها محمد حميد اللّٰه، دار النفائس۔ بيروت .

34: المحلى، أبومحمد علي بن سعيد بن حزم (456هـ) دار الفكر بيروت .

35: مختصر الحرقي: انظر المغني شرحه، فهو مطبوع معه .

36: مختصر سنن أبي داود: عبد العظيم المنذري وتهذيب ابن القيم الجوزية تحقيق أحمد محمد شاكر وزميله۔ مكتبة السنة المحمدية۔ بالقاهرة .

37: المدخل إلى توثيق السنة: رفعت فوزي۔ مكتبة الخانجي بالقاهرة .

38: المدونة في الفقه: عن الإمام مالك بن أنس۔ دارالفكر۔ بيروت .

39: المستدرك على الصحيحين: أبوعبد اللّٰه الحاكم النيسابوري وبذيله التلخيص للحافظ الذهبي۔ دارالفكر۔ بيروت .

40: المسند: أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني۔ دار صادر بيروت والأجزاء التي حققها: أحمد شاكر۔ دار المعارف مصر .

41: المصنف: أبوبكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني (126۔ 211هـ) تحقيق حبيب الرحمن الأعظمي۔ المجلس العلمي۔ كراتشي۔ باكستان .

42: معالم السنن: للخطابي على هامش السنن ومختصر السنن لأبي داود. انظرهما.
43: المعتصر من المختصر من مشكل الآثار: أبوالمحاسن يوسف بن موسى الحلبي. عالم الكتب- بيروت- المتنبي- القاهرة.
44: المغني: أبومحمد عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسي (620هـ) على مختصر الخرقي: أبو القاسم عمر بن حسين- مكتبة الرياض الحديثة- الرياض.
45: المنهيات: أبوعبد الله محمد بن علي الحكيم الترمذي- مكتبة القرآن.
46: المهذب في فقه مذهب الإمام الشافعي: إسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الفيروزبادي، عيسى البابي الحلبي- مصر.
47: الموطأ: مالك بن أنس، تحقيق محمد فؤاد عبد الباقي- عيسى البابي الحلبي (دار إحياء الكتب العربية).
48: الميزان الكبرى: عبد الوهاب الشعراني- ط: (2) المطبعة العامرة- 1318هـ.
49: النهاية في غريب الحديث والأثر: محب الدين أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري المعروف بابن الأثير- تحقيق طاهر أحمد الزاوي- ومحمود محمد الطناحي- دار إحياء الكتب العربية- عيسى البابي الحلبي- القاهرة.
50: نيل الأوطار: أحمد بن علي الشوكاني، وهو شرح منتقى الأخبار دار الجيل، بيروت.
51: وفاء الوفا بأخبار المصطفى ﷺ: نور الدين على بن جمال الدين أبوالحسن السمهودي، مطبعة الآداب المؤيد بمصر 1316هـ.

